جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ



مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

ستمبر ۲۰۲۵	جلد ۲۳	شمارہ: ۲	سلسلہ نمبر ۱۹۹

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر
مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

اشتراک وتعاون
اندرونِ ملک:
فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000
بیرون ملک:
سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگراں ترسیل
مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)
فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371
موبائل (مدیر): 08006075484 ای میل: ahmadanzarshah@gmail.com

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت دیوبند کو ہی ہوگا۔

ورق در ورق

صریرِ خامہ

قرطاس و قلم

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

بہار میں الیکشن کمیشن کا خوفناک اقدام حکومت ہند پر بھاری پڑ گیا۔ الیکشن کمیشن نے جب یہ رپورٹ دی کہ ایس آئی آر (SIR) کے تحت 65 / لاکھ سے زیادہ لوگوں کے نام ووٹر لسٹ سے کاٹ دیے گئے تو ملک بھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ رائے دہندگان مضطرب ہو گئے۔ سیاسی پارٹیاں بھاجپائی حکومت کو گھیرنے لگیں۔ اپوزیشن کچھ اس شد و مد سے سامنے آیا کہ حکمران طبقہ انگلیاں دانتوں تلے دبانے پر مجبور ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ 65 / لاکھ آدمی کا ووٹر لسٹ سے نام کٹ جانا غیر معمولی واقعہ ہے۔ عجیب و غریب بات یہ کہ متعدد گھرانے ایسے ہیں کہ کئی افراد کے نام ووٹر لسٹ میں آ گئے اور بعض کے نہیں آ سکے۔ یہ بھی ہوا کہ بعضوں کو مردہ کہہ دیا گیا، حالانکہ وہ زندگی سے ہم کنار ہیں۔ بعضوں کو زندہ کہا گیا، جب کہ وہ آں جہانی ہو چکے۔ یہ کارنامہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ووٹر آئی ڈی پر مکان نمبر مکرر صفر تھا، بعد میں وضاحت دی گئی کہ اس کے پاس مکان نہیں ہے، مگر وائے حیرت کہ اسی کے آدھار کارڈ پر مکان کا پتہ درج ہے۔ یہ اقدامات اتنے حیران کن اور مضحکہ خیز تھے کہ اپوزیشن نے الیکشن کمیشن کا خوب مذاق اڑایا۔ خوب پھبتیاں کسیں۔ راہل گاندھی اپنے ہم نواؤں کے ہمراہ ان لوگوں کے ساتھ چائے پیتے نظر آئے، جنہیں الیکشن کمیشن مردہ قرار دے چکا تھا۔ یہ عجوبہ بھی دیکھا گیا کہ کتوں کے نام سے ووٹر آئی ڈی بنی ہوئی ہے۔ حد تو یہ کہ امریکہ کے صدر ٹرمپ کی ووٹر آئی ڈی بھی بن گئی۔ یہ اور اس طرح کے ڈرامے بہار میں کچھ اس تسلسل سے پیش آئے کہ الیکشن کمیشن پر سوالیہ نشان کھڑا ہونا تھا، سو ہوا۔ کمیشن صفائی دیتا رہا۔ وضاحتیں کرتا رہا، مگر اعتماد کا شیش محل چکنا چور ہو چکا تھا، وہ کیسے جڑتا! یہ سارے قہقہہ بر دوش مناظر، یہ تمام محیر العقول واقعات افسوسناک اور کربناک ہیں، بلکہ عوام کے حقوق پر بدترین ڈاکہ۔ یہ جمہوریت پر گھناؤنا شب خوں ہے۔ یہ وطن کو طوائف الملوکی اور انارکی کی طرف دھکیلنے کی نہایت مذموم کوشش ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

ان ڈراموں اور ہنگاموں کے بیچ ایک نئی خبر نے تو ہوش ہی اڑا دیا۔ کہنے والے پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ ہو نہ ہو، بہار میں الیکشن کمیشن کی عوام سے فرمائشیں در پردہ این آر سی ہی ہے۔ اب جو خبر نشر ہوئی ہے، اس سے یہ خدشہ یقین کے پیکر میں ڈھل چکا۔ اخباری رپورٹ کے مطابق بہار کے تین لاکھ ووٹروں کو نوٹس بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنی شہریت کا ثبوت دیں، کیوں کہ ان کا ہندوستانی شہری ہونا مشکوک ٹھہرا ہے۔ الیکشن کمیشن کے اس فرمان نے ایک بجلی گرا دی ہے۔ ایک قیامت برپا کر دی ہے۔ بہار میں حتمی ووٹر لسٹ 30/ ستمبر کو جاری ہوگی۔ اگر یہ شہری الیکشن کمیشن کو مطلوب دستاویزات نہیں دیتے تو خطرہ ہے کہ ان کے نام اس فہرست سے باہر رہیں گے اور دو گز زمین کے لیے دردر بھٹکنا پڑے گا۔ کمیشن نے یہ بھی کہا ہے کہ جن کے نام نوٹس جاری کیے گئے ہیں وہ میاں مار، نیپال اور بنگلہ دیش کے مشتبہ شہری ہیں۔ ان کے نام ووٹر لسٹ کے بجائے ووٹر ڈرافٹ میں لکھے گئے تھے۔ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کے نام حتمی فہرست میں نہیں آتے تو یہی کہا جائے گا کہ بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے اور ایس آئی آر (SIR) کے بہانے این آر سی کر رہی ہے۔ اس مسئلے پر سیاسی پارٹیوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔ پہلے 65/ لاکھ لوگوں کو ووٹر لسٹ سے نکالنا اور اب تین لاکھ ووٹروں کی شہریت پر ہی شک کی تلوار لٹکا دینا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

حالیہ کچھ مہینے سے راہل گاندھی کہہ رہے تھے کہ میں ایٹم بم ماروں گا اور ایسا کہ بی جے پی کے خیمے اکھڑ جائیں گے۔ اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ اسے اپنا وجود بچانا مشکل ہو جائے گا۔ سیاسی حریف اسے بڑبولاپن اور نرا ادعا سمجھ رہے تھے، لیکن اپوزیشن لیڈر راہل گاندھی نے ایسا ایٹم بم مارا کہ بھاجپا کی زمین واقعی ہل گئی۔ مسٹر گاندھی نے دلائل اور شواہد کی روشنی میں پریس کانفرنس میں دعوی کر کے ملک کو چونکا دیا کہ خاک دان ہند کے کئی انتخابات میں الیکشن کمیشن نے فراڈ اور چوری سے کام لیا ہے۔ بھاجپا کی فتوحات غیر واقعی اور ابلہ فریبی کی دین ہیں۔ پھر وہ فراڈ انہوں نے دنیا کو دکھایا بھی۔ یہ بھی کہا کہ سیکولر ووٹ ہمیں ماضی میں جو ملتے رہے، ان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بھاجپا کو ملنے والے ووٹ حقیقی نہیں، فرضی ہیں۔ بھگوا پارٹی کی تمام حصولیابیاں ووٹ کی چوری سے حاصل ہوئی ہیں، خواہ وہ ہریانہ کی فتح ہو یا مہاراشٹر کی، کرناٹک کی کامیابی ہو یا کسی اور صوبے کی، حتی کہ انہوں نے لوک سبھا انتخابات کے نتائج پر بھی سوالیہ نشان لگا دیا۔ مسٹر گاندھی کا یہ نعرہ تو اب ہر زعفرانی مخالف کی زبان پر ہے: ووٹ چور گدی چھوڑ!

❀ .... ❀ .... ❀

راہل گاندھی گزشتہ کئی دنوں سے بہار کے دورے پر ہیں اور ''ووٹر ادھیکار یاترا'' کے نام سے ان کی

تحریک بھی چلی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کی یہ یاترا16 / روزہ تھی۔1300 /کلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ یاترا پٹنہ پہونچی اور یکم ستمبر کوایک بڑی ریلی کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوگئی۔اس یاترا کے دوران انڈیا بلاک کے سربراہ راہل گاندھی الگ ہی روپ میں نظر آئے۔ جوش، جذبہ، خوداعتمادی ایک نئے پیکر میں۔ وہ بھی زہر میں بجھے ہوئے نشتر کے ساتھ۔ان کے جارحانہ بیانات نے سیاسی آفاق کا رنگ ہی بدل دیا۔ اربابِ سیاست دنگ ہیں کہ کیا یہ وہی راہل ہیں، جنہیں زعفرانی ٹولہ پپو کہا کرتا تھا!! مسٹر گاندھی کے اس غیر متوقع تیور سے مودی حکومت کی نینداڑی ہوئی ہے۔ اربابِ اقتدار کا رنگ فق اور چہرہ زرد ہے۔حال انتہائی قابل رحم۔ سارے قدآور بھاجپائی مہر بہ لب۔صم بکم کی تصویر۔ الیکشن کمیشن بھی دفاعی موڈ میں۔ وہ کہہ رہا ہے کہ راہل گاندھی اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو حلف نامہ داخل کریں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھگوا محاذ کے لیے برق بے اماں ثابت ہوا۔ نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن۔ اپنے بچھائے ہوئے جال میں ہی بری طرح پھنسا ہوا۔ نکلنے کے تمام راستے مکمل طور پر مسدود۔ سوشل میڈیا پر اس کا خاکہ اڑایا جارہا ہے۔ ایس آئی آر کی حیثیت مجروح ہوچکی۔اس سے پہلے دعویٰ کیا جاتا تھا کہ ای وی ایم ہیک کرلیا گیا ہے۔ عام آدمی پارٹی تو باقاعدہ ہیکنگ کے طریقے بھی سمجھاتی تھی اور بتاتی تھی کہ ای وی ایم کے ذریعے ووٹ کی چوری کیسے ہوتی ہے؟ ای وی ایم پر شک کے بادل بار بار منڈلائے۔ ہر مرتبہ لگتا تھا کہ بھاجپا کی شکست ہوگی۔فضائیں اسی کی پیش گوئی کرتی تھیں۔ زعفرانی پارٹی کی ناکامیاں یہی عندیہ دیتی تھیں۔عوام شدید ناراض تھے۔میڈیا میں آکر بیانات دیتے تھے، مگر نتائج اس کے برعکس۔ ووٹ چوری کے نئے انکشاف نے ہندوستانی عوام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے کہ کیا یہ ادارہ بھی جانب داری کے تعفن میں لت پت ہوسکتا ہے! اب وہ راہل کی باتوں پر یقین کرنے لگے ہیں۔ یہ مسئلہ حکومت کے لیے کس حد تک رسواکن ثابت ہوا، اسے سمجھنا ہو تو ایوانوں میں حزب اختلاف کے رویے دیکھ لیجیے! اپوزیشن نے مسٹر مودی کو صرف باہر ہی چور نہیں کہا، بلکہ ایوان میں بھی ان کے روبرو ووٹ چور کا لقب دہرایا۔

خود کردہ را علاجے نیست۔ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی وزیراعظم کو چور کہا گیا، وہ بھی اس کے روبرو، وہ بھی بھری بزم یعنی پارلیمنٹ میں۔ اس سے بڑی رسوائی، اہانت، بے وقعتی اور کیا ہوگی! یہ قدرت کا انتقام ہے۔ یہ مکافات عمل ہے۔ یہ الجزاء من جنس العمل ہے۔ مودی کا لہجہ شکوہ کناں ہے۔ یہ وہی مودی ہیں، جو چڑھ کر بولنے میں طاق سمجھے جاتے تھے۔ اب ان کے جملے گلے کی خشکی اور دل کی پریشانی کو اجاگر کررہے ہیں۔ زعفرانی پارٹی کو سبق لینا چاہیے کہ اقتدار وہی باعزت اور پائیدار

ہوتا ہے، جو فطری نتائج کی رہین منت ہو۔ وہ حکومت بالآخر انجام کو پہونچ جاتی ہے، جس کی پشت پر ابلہ فریبی اور مکر وزور کارفرما رہا ہو۔

❁ .... ❁ .... ❁

ہندامریکی تنازع مزید سنگین رخ اختیار کر چکا۔آئے دن ٹرمپ بھارت پر عتاب نازل کر رہا ہے۔ ہندوستان کا روس سے تیل لینے کا فیصلہ امریکہ کو اس قدر چبھا کہ اس نے جولائی کو 25 فیصد ٹیرف لگایا تھا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی کہ اگر ہندوستان روس سے تیل خریدنا بند نہیں کرتا تو اسے مزید سنگینیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور محصولات پر اضافے ممکن ہیں۔ پھر 25 فی صد ٹیرف کی مزید دھمکی دی اور جلد ہی اسے عملی جامہ بھی پہنا دیا۔اب تازہ صورت حال یہ ہے کہ ایک مہینے کے اندر ہی 50 / فی صد ٹیرف ہندوستان پر لگا دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں، امریکہ نے مزید خبردار کیا ہے کہ آگے بھی اتنا ٹیرف لگاؤں گا کہ ہندوستان کا سر چکرا کر رہ جائے گا۔ امریکہ میں 50 فی صد ٹیرف 27 اگست سے باقاعدہ نافذ بھی ہو چکا۔ ٹیرف کے نفاذ سے خاص طور پر ٹیکسٹائل، جواہرات اور زیورات، چمڑے، کیمیکلز اور آٹو پارٹس جیسے شعبے متاثر ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کا کوئی بھی مال امریکہ پہونچے گا تو اس کی آمدنی میں 50 فی صد امریکہ ہڑپ لے گا، جس کے نتیجے میں انڈیا کا مال کافی مہنگا فروخت ہوگا۔ نتیجتاً اس کا پروڈکٹ وہاں خریدار کو ترسے گا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ملکی معیشت مزید تباہ حال ہوگی، بلکہ شدید گرانی سے عوام کی کمر بھی ٹوٹے گی۔ امریکی فیصلے کا فوری اثر یہ ہوا کہ ڈالر 88 / روپے کے پار جا چکا ہے۔ آگے کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

امریکی دھمکیوں کا تسلسل دیکھیے: آتش انتقام اب بھی سرد نہ ہوئی تو کہنے لگا کہ ہم ہندوستان سے کوئی تجارتی معاہدہ نہیں کریں گے۔ ٹرمپ کا الزام ہے کہ روس سے تیل خرید کر ہندوستان یوکرین کے خلاف جا رہا ہے اور روس یوکرین جنگ میں روس کی مدد کر رہا ہے۔ اس الزام کی حقیقت جو بھی ہو، مگر اتنا تو ضرور ہے کہ یہ تنازع ملک کی شبیہ کو عالمی سطح پر متاثر کر رہا ہے۔ مودی کے چین دورے نے آگ میں گھی کا کام کیا۔ پھر چینی صدر اور روسی صدر پوٹن سے ملاقات نے اسے مزید بر ما دیا۔ چینی دورے کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس پر تبصرہ قبل از وقت ہوگا، تاہم بہ حیثیت مجموعی اس تاثر کا اظہار ضروری ہے کہ مودی حکومت خارجہ پالیسی میں شدید ناکامی سے دوچار ہے۔ پڑوسی ممالک سے رابطے کا انقطاع اور امریکہ سے یہ کشیدگی اندر کشیدگی ملکی مفاد میں نظر نہیں آتی۔ اللہ خیر کرے۔

......✦......

قسط (۱)

حضرت علامہ کے درسِ حدیث کی خصوصیات

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیریؒ
بانیٔ جامعہ ہٰذا

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری المغفور پر دانشوروں کے اس اجتماع میں میرے مقالہ کا عنوان ''علامہ کے درسِ حدیث کی خصوصیات'' ہے۔

یہ موضوع بجائے خود نہایت وسیع اور مرحوم کی پوری زندگی پر حاوی ہے، چوں کہ علامہ کی زندگی علمی زندگی اور آپ کا تعارف علم و دانش کی وادیوں میں مسلسل سفر سے تعبیر ہے، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ کے منفرد اجتہادی درس کا حقیقی رنگ درسِ حدیث ہی میں نمایاں ہوا، یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ دینی درس گاہوں کا منتہائے کمال حدیث کا درس ہے، غالباً یہ اس وجہ سے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا معاملہ قرآن کریم سے جدا اور ممتاز ہے، حالاں کہ قرآن کریم دین کا سرچشمہ، علوم کا بحرِ ذخار، معارف کا حسین آبشار ہے، ان خصوصیات کا تقاضا تھا کہ ہر قسم کی رفعتیں اور علم و تحقیق کے امتیازات قرآن ہی کے لئے خاص ہوں، لیکن قرآن مجید کا ثبوت اس قدر متواتر، غیر مشتبہ اور یقینی ہے کہ خاص وہ مباحث جو حدیث کے باب میں ردو قبول کے لئے چل پڑے ان سے ''القرآن'' کو سابقہ نہیں رہا، لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ قرآن سے اعتناء نہیں کیا گیا، اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قرآنی علوم و معارف میں بھی انکشافات، نکتہ سنجی، نکتہ آفرینی کا ایک چمن ہمارے کتب خانۂ علم کی دل فریب بہار ہے، لیکن حدیث کا فن جیسا کہ عرض کیا گیا، وسیع تر ہوتا گیا، حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ ثبوت کے بعد پھر کس درجہ کی ہے؟ تعاملِ سلف مؤید ہے یا نہیں؟ شواہد موجود ہیں یا نہیں؟ اس کے رواۃ کس درجہ کے ہیں؟ کیا ان احادیث سے احکام کا استنباط و استخراج ہوتا ہے؟ پھر مختلف متضاد احادیث میں تطبیق، ترجیح و تاویل، رواۃ کی سوانح، ان کے تذکرے ایک ہی نام یا القاب میں شرکت ایسے اور اس طرح کے دوسرے مباحث نے فن حدیث کو اہم حیثیت دینے کے ساتھ دشوار تر بنا دیا، نتیجتاً کسی دانشور کا کمال فن حدیث ہی میں نمایاں اور سند کی حیثیت اختیار کر گیا، مزید برآں حدیث مذکورہ بالا

حیثیتوں سے ہٹ کر کچھ اور رخوں سے بھی زیر بحث آ گئی، مثلاً حدیث کی فصاحت و بلاغت، حدیث میں بدیع و معانی کے فیصلے، صرفی و نحوی مباحث، مذاہب فقہیہ کا بیان، کسی ایک فقہی مکتبِ فکر کی ترجیح، وجوہِ ترجیح، احکام ومسائل کا استخراج، کلام مباحث، ضلالت پسند فرقوں کی تردید اور ان کے زیغ وضلال پر حدیث کے سرمایہ سے بھرپور تردید، بلکہ حدیث کے رخ زیبا سے نقاب کشائی کرتے ہوئے ان انوار وتجلیات کی تشخیص وتعیین جن کی اس امت کو تا قیامت قدم قدم پر ضرورت پیش آتی رہے گی۔

ظاہر ہے کہ جب امت کے اساسی علوم وفنون میں حدیث کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے تو حدیث ہی سے کام لے کر دین و دنیا کے حوادث میں کوئی جچا تلا فیصلہ کرنا ہوگا، اس لئے ایک محدث درسِ حدیث میں صرف حدیث کی شرح، لغوی مباحث یا اسی طرح کے سامنے کے مسائل پر گفتگو نہیں کرتا بلکہ اس کی واقفیت وشناسائی دین کی تمام روایات وجوانب پر اتنی دبیز ہوتی ہے کہ اس کے فیصلے مبصرانہ اور اس کی آراء متوازن حیثیت اختیار کرتی ہیں اور درحقیقت مولانا انور شاہ ان ہی منتخب محدثین میں سے ہیں جن کی عبقریت وجامعیت ان کے لئے اسی اجتہادی مرتبہ کی سفارش کرتی ہے۔ ہندوستان میں درسِ حدیث کا جو رنگ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے قائم ہوا اس میں حدیث کے اصل وطن کی گہری چھاپ کے باوجود خود ہندوستان کے ماحول نے مختلف اضافے اور رنگ آمیزیاں کی ہیں، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں تقلید وعدم تقلید کے مسئلے کھڑے ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت شاہ صاحب کے قلم نے ''عقد الجید''، ''الانصاف'' جیسی وقیع کتابیں تصنیف کیں، مگر جو فتنہ اٹھ چکا تھا تدریس وتالیف کے حدود میں اس کا بھرپور مقابلہ ایسا نفع بخش نہ ہوا کہ فضا کا یہ غبار ہمیشہ کے لئے بیٹھ جاتا، بلکہ دھواں پھیلتا رہا اور اس نے بڑھ کر بڑے حصہ کو اپنی تاریکی کی زد میں لے لیا۔ پھر ''شیعیت'' کا ہنگامہ قیامت خیز انداز میں نمودار ہوا۔ ازالۃ الخفاء، تحفۃ الاثناعشری کی باوقعت جدوجہد بھی اس بلائے بے درماں کو روکنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ مزید برآں بدعت وسنت کی کشمکش میں ایک خاص جماعت کی اٹھائی ہوئی آندھی میلوں کی رفتار سے ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل گئی۔ اس ہنگامہ کے خلاف ہزاروں علماء کی مخلصانہ جدوجہد سنت اور اس کی اشاعتی مہم کا قیمتی سرمایہ ہے۔ تاہم آئندہ سطور سے معلوم ہوگا کہ اس گمراہی کی بیخ کنی واستیصال کی سعادت اس مکتبہ فکر کے حصہ میں آئی، جس سے علامہ کشمیریؒ کا دین ودانش ہمیشہ کے لئے وابستہ ہے اور پھر جب ہندوستان میں خانہ ساز نبوت کا بلاخیز سیلاب امنڈ آیا تو اس کی سرکوبی کے لئے بھی اسی درسگاہ کی قوتِ علم وعمل کو حرکت میں آنا پڑا۔ ان تمام ہنگاموں بلکہ اس قبیل کے تمام فتنوں میں ''القرآن'' اور ''الحدیث'' کے مجموعہ سے تردیدی مسالہ بہم پہنچایا

گیا، گویا کہ حدیث کی لگی بندھی بحثوں پر یہ وہ نئے اضافے تھے جنہیں دار العلوم کے اجتہادی طریق سے درس نے نمایاں کیا۔

دار العلوم دیوبند کا یہ تعارف کہ وہ ہند بشمولِ پاکستان میں ایک عظیم دینی ادارہ ہے، دار العلوم کی وسعت، ہمہ گیری اور اس کے ٹھوس و لگے بندھے فکر سے ناواقفیت ہے، یہ درسگاہ درحقیقت مکتبۂ فکر ہے، اس کے تاسیسی پس منظر میں کچھ اہم حقائق جلوہ افروز ہیں۔ جماعت دیوبند کے ایک عظیم مفکر مولانا عبید اللہ سندھی کا مقولہ ان حقائق کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ آپ نے ایک بار فرمایا:

''دیوبند نام ہے اتباعِ سنت، اس کی اشاعت کی مجاہدانہ کوشش، حنفیت کی ترجیح وتفوق کا تیقن اور اعلاء کلمۃ الحق کا جذبۂ بے قرار۔''

مفکر سندھی کا یہ ارشاد دار العلوم دیوبند کے عمومی جذبہ کا آئینہ دار ہے اور اس کا اثر اس کے اجتہادی طرزِ تعلیم میں بھرپور نمایاں ہے۔ بعد میں کچھ تو وہ اضافے ہوئے جس کا سطور بالا میں مختصر ذکر آیا۔ اس کے علاوہ توسط واعتدال، تطبیق بین الاحادیث، ترجیح فقہ حنفی، حدیث کے متعلق اس یقین کی آبیاری کہ وہ تعلیمات اسلامی کا سرچشمہ ہے یا حدیث کی اس نقطۂ نظر سے تعلیم کہ وہ متن قرآنی کی جامع شرح ہے اور ان سب کے ساتھ اسلام کی حقیقی روح کی نقاب کشائی اور اس کو اپنے واقعی پس منظر میں جلوہ طراز کرنے کی کاوش۔ دار العلوم کی ان فکری وعلمی خصوصیات کا اظہار یوں تو دار العلوم کے روزِ تاسیس ہی سے شروع ہو گیا لیکن ان ممیزات وخصوصیات کا بدرجۂ اتم ظہور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے درس میں ہے۔ اس دعوے کا صحیح ثبوت اس مرقع سے بہم پہنچے گا جو قلم ان کے باختصاص تلامذہ کے بیانات سے تیار کر کے پیش کرتا ہے۔ راقم السطور نے اس کی کوشش کی ہے کہ اس منفرد تدریس کی اہم خصوصیات آپ کے سامنے آجائیں۔ سب سے پہلے درس کی انفرادیت پر ان کے معروف ومشہور تلمیذ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی شہادت پیش ہے۔ موصوف نے اپنے مقالہ برائے ''حیاتِ انور'' میں تحریر کیا ہے۔

''حضرت شاہ صاحب'' کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور پر دروس میں نہ تھیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کا اندازِ درس اس دنیائے درس وتدریس میں ایک عظیم انقلاب کا باعث ثابت ہوا۔''

اس کی مزید توثیق مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے پیش ہے، وہ شاہ صاحبؒ مرحوم کی خصوصیات درس پر اپنے البیلے انداز میں رقم طراز ہیں:

''خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے، طلبہ عبارت پڑھیں گے اور حضرت

شاہ صاحبؒ اس عبارت کا ترجمہ و مطلب طلبہ کو بتائیں گے، لیکن پہلی مرتبہ درس کا نئے طریقے کے تجربہ کا موقع میرے لئے یہ تھا کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحر بیکراں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں میرے دل و دماغ کے ساحلوں سے ٹکرانے لگا۔''

ہندوستان کی درسگاہوں میں درس کا جو روایتی طریقہ چلا آ رہا ہے فاضل گیلانی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ:

''ایسے اساتذہ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا تھا جو کتاب کو شروع کراتے ہوئے غیر ضروری طور پر اس قسم کی عام باتوں کا تذکرہ عموماً کیا کرتے ہیں کہ مصنف نے خدا کی قسم حمد سے کتاب کیوں شروع کی؟ اور اسی عام سوال کو اٹھا کر اس کا جو مقررہ جواب کتابوں میں لکھا ہے لفظوں کے الٹ پھیر سے دہرانے کی عادی تھے، صلوٰۃ کی شرح اور مختلف امور کی طرف اس کا انتساب اس کے معانی میں کن تبدیلیوں کو پیدا کرتا ہے۔ الغرض مسلمان مصنفوں کی کتابوں کے دیباچے کے عمومی اجزاء کے متعلق سوال و جواب، رد و قدح کا موروثی سرمایہ جو حواشی و شروح میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اسی کو غریب طالب علموں پر پیش کر کے اپنی علمی وسعت کو ظاہر کرتے تھے۔''

صدیوں سے متوارث اس طریق تعلیم کی نشاندہی کے بعد یکا یک فاضل گیلانی کو طرزِ تعلیم کا جو ایک نیا مشاہدہ و تجربہ ہوا اس کی کچھ تفصیل مولانا ہی کے قلم سے سنئے، لکھا ہے کہ:

''لیکن الامام کشمیری نے قبل اس کے کہ کتاب کا کوئی لفظ بھی شرع ہوا ہو ایک خاص قسم کی دلچسپ، ترنم آمیز آواز میں تقریر شروع کی، کس کس موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا، تقریباً چالیس سال بعد اس کا دہرانا آسان نہیں، لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان حافظہ پر جہاں تک خیال کرتا ہوں اب بھی باقی ہے۔''

صحاحِ ستہ میں مسلم شریف کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس پر ایک مختصر تبصرہ کرنے کے بعد فاضل گیلانی لکھتے ہیں کہ:

''پہلے دن کے پہلے ہی سبق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات یکا یک میرے سامنے آ گئے۔''

گویا کہ علامہ کے درس کی پہلی اور بنیادی خصوصیت یہی تھی جامعیت اور ایک ہی وقت میں علمی نوادر سے طلبہ کے دامن دماغ کو لبریز کرنا تھا، پھر معلومات کا یہ وسیع افادہ کسی ایک ہی دائرہ میں بند نہیں تھا، بلکہ اس کا تعلق مختلف علوم و فنون سے تھا۔ متعلقہ موضوع کی مناسبت سے جب آپ ضمنی مسائل و مباحث کی

طرف متوجہ ہوئے تو اس کا نام خود آپ کی زبان پر ''دفاع'' تھا۔

مولانا گیلانی ہی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''یادداشت اور حافظہ کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ تھا کہ معلومات کا طوفان شاہ صاحب کے اندر تلاطم پذیر رہتا، کسی مسئلہ پر تقریر فرماتے ہوئے اسی کی مناسبت سے ان کا ذہن کسی دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا تو فرماتے کہ دفاع ہوگیا، ان دفاعی مسائل میں صرف ونحو، معانی، بیان، بدیع وغیرہ فنون تک کے مسائل شامل تھے۔''

درس کی اس اہم خصوصیت میں محقق گیلانیؒ کے ساتھ مولانا محمد طیب صاحبؒ کی یہ ہمنوائی بھی قابل غور ہے:

''حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث آتی، اگر معانی وبلاغت کی بحث آتی تو محسوس ہوتا کہ علم معانی کا یہ مسئلہ واضع نے اسی حدیث کے لئے وضع کیا تھا۔ معقولات کی بحث چل نکلتی اور آپ معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث معقولات کے مسئلہ پر ہی تردید کے لئے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی۔ غرض اس نقلی وروایتی فن میں نقل وعقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن سے متعلق مقصد پر سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی، پھر علاوہ بحث حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔''

فاضل مقالہ نگار کے قلم نے اس داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی سنایا کہ:

''حضرت شاہ صاحب کا درسِ حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس۔ الغرض تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا۔''

گویا کہ معلومات کا بیش بہا خزانہ مختصر مدت میں طالب علم اپنے لئے فراہم پاتا۔ ضمناً حدیث وقرآن سے متعلق شک وریب کے وہ کانٹے بھی دل ودماغ سے نکل جاتے جن کی خلش ایک مومن کے لئے انقباض ووحشت کا موجب ہے، وہی پہلے دن کا درس جس کا قلمی خاکہ مولانا گیلانی کے قلم نے تیار کیا، اس کی تفصیلات میں موصوف نے اپنی بعض خلشوں کا ذکر کرتے ہوئے الامام کشمیری کی شفاء بخش تقریروں کی چارہ سازی اس عنوان سے بیان کی ہے۔ اس وقت تک میرا تاثر یہ تھا کہ قرآن کے سوا بجز چند گنی چنی روایتوں کے صاحب شریعت کی طرف قطعی یقین اور کامل اطمینان کے ساتھ کسی اور کا انتساب نہیں کیا جاسکتا، گویا دین کا کثیر حصہ صرف ظنی اور یقین کی قوت سے محروم ہے۔ (جاری)

……◆……

۶۳ رسالہ حیاتِ نبوی کی ایک جھلک

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے روز صبح صادق کے وقت ربیع الاول، عام الفیل مطابق اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی، آپ ﷺ کی ولادت سے چند مہینے پہلے آپ ﷺ کے والد محترم ''عبداللہ'' کی وفات ہوگئی، آپ ﷺ کے دادا جان ''عبدالمطلب'' کی طرف سے آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد'' ہے، اور آپ ﷺ کی والدہ محترمہ ''آمنہ'' کی طرف سے آپ ﷺ کا نام ''احمد'' تجویز ہوا۔ ابولہب کی آزاد کردہ باندی ''ثویبہؓ'' کے چند دن دودھ پلانے کے بعد شرفاءِ قریش کی عادت کے مطابق آپ ﷺ کو ''حضرت حلیمہ سعدیہؓ'' کی رضاعت میں دے کر مضافات مکہ میں بھیج دیا گیا، اس وقت آپ ﷺ آٹھ دن کے تھے۔ ولادت کے چوتھے سال شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ شقِ صدر کا واقعہ چار بار پیش آیا، ایک: زمانہ طفولیت میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس، دوسری بار دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ (فتح الباری، ج: ۱۳، ص: ۴۸۱)

تیسری بار: واقعۂ بعثت کے وقت پیش آیا۔ (مسند أبي داؤد الطیالسی، ص: ۲۱۵)

اور چوتھی بار: واقعۂ معراج کے موقع پر۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۴۹)

بعض نے پانچویں بار کا شقِ صدر بھی ذکر کیا ہے، لیکن وہ صحیح قول کے مطابق ثابت نہیں ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، ج: ۱، ص: ۷۵)

آپ ﷺ تقریباً چھ سال تک ''حلیمہ سعدیہؓ'' کی پرورش میں رہے۔ ولادت کے چھٹے سال آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اپنے میکے میں ایک ماہ کا قیام کیا، وہاں سے واپسی پر مقام ابواء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ (شرح المواہب للزرقانی، ج: ۱، ص: ۱۶۰)

ولادت کے ساتویں سال آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں پروان چڑھتے رہے۔ اور ولادت کے آٹھویں سال ''دادا محترم'' کا انتقال ہوگیا، دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا ''ابوطالب'' کی پرورش میں آگئے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۷۴)

اور ولادت کے بارھویں سال آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے پہلے تجارتی سفر میں

شرکت کی، اسی سفر میں بحیرہ راہب نے آپ ﷺ کی نبوت کی پیش گوئی بھی دی۔
(الخصائص الکبری، ج:۱،ص: ۸۴)

اور ولادت کے چودھویں سال یا پندرہویں سال اور بعض روایات کے مطابق بیسویں سال عربوں کی مشہور لڑائی ''حرب الفجار'' پیش آئی، اس جنگ میں آپ اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر شریک تو ہوئے، لیکن قتال میں حصہ نہیں لیا۔(روض الانف، ج:۱،ص:۱۲۰)

اور ولادت کے سولہویں سال میں آپ ﷺ نے اہل مکہ کے حلف الفضول نامی معاہدے میں شرکت کی۔اور ولادت کے پچیسویں سال آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کا دوسرا سفر شام کی طرف کیا، سفر سے واپسی پر اس سفر میں پیش آنے والے واقعات، تجارتی نفع اور آپ ﷺ کے اخلاق وواقعات سن کر دو مہینہ اور پچیس روز کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھجوا کر آپ ﷺ سے نکاح کرلیا۔(طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۸۳)

اور ولادت کے پینتیسویں سال آپ ﷺ نے بیت اللہ کی ہونے والی تیسری تعمیر کے وقت حجر اسود کو اپنے دست اقدس سے نصب فرما کر خانہ جنگی کے لیے کمر بستہ قبائل قریش کے درمیان باہمی محبت والفت پیدا فرما دی اور اس کٹھن مرحلے کو بحسن وخوبی انجام خیر تک پہنچایا۔(سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۶۵)

حیات طیبہ کے انتالیس سالوں میں آپ ﷺ کا کردار ایسا بے مثال رہا کہ اپنے تو اپنے غیروں کی زبان پر آپ ﷺ کے بارے میں تھا کہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں۔ ولادت کے چالیسویں سال میں آپ ﷺ نے زیادہ وقت غار حرا میں گزارا، یہاں ہی آپ ﷺ کے سر پر نبوت کا تاج رکھا گیا۔ نبوت کے پہلے سال غار حرا میں آپ ﷺ پر سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔
(شرح المواہب، ج:۱،ص:۲۰۷)

باتفاق مؤرخین آپ ﷺ کو نبوت اتوار کے دن عطا ہوئی، لیکن مہینہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، ابن عبد البر کے نزدیک آٹھ ربیع الاول کو نبوت سے سرفراز ہوئے، اس قول کی بنا پر بوقتِ بعثت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی۔ جب کہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق سترہ رمضان کو آپ ﷺ کو نبوت ملی، اس قول کے مطابق بوقتِ بعثت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ تھی، حافظ ابن حجر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔(فتح الباری، کتاب التعبیر، ج:۱۲،ص:۳۱۳)

نبوت کے دوسرے سال میں آپ ﷺ خفیہ تبلیغ فرماتے رہے، اسی سال حضرت خدیجہ، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت عفیف کندی، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت خالد بن سعید، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عمار، حضرت

صہیب، حضرت عمرو بن عنبسہ اور زید بن حارثہؓ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ یہ سب اور کچھ دیگر حضرات صحابہؓ سابقین اولین صحابہؓ کہلاتے ہیں۔ نبوت کے تیسرے سال آپ ﷺ کے متبنّی حضرت زید بن حارثہؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کی ولادت ہوئی۔ نبوت کے چوتھے سال آپ ﷺ کو علی الاعلان دعوتِ دین دینے کا حکم ہوا، جس کی بنا پر کفار خصوصاً قریش کی طرف سے بھی کھلم کھلا دشمنی اور بغض وعداوت کا مظاہرہ ہونے لگا اور اسی سال حضرت عائشہؓ کی ولادت ہوئی۔ نبوت کے پانچویں سال حضرت جعفر بن ابی طالبؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، اسی سال حبشہ کی طرف پہلی اور دوسری ہجرت ہوئی، پہلی ہجرت میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔(فتح الباری، ج:۱،ص:۱۸۰)

اور دوسری ہجرت میں چھیاسی مرد اور سولہ عورتیں شامل تھیں۔(سیرۃ ابن ہشام، ج:۱،ص:۱۱۱)

اسی سال حضرت سمیہؓ کو ابوجہل ملعون کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی، یہ اسلام کی خاطر شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کی برکت سے مسجد حرام میں نماز اعلانیہ ادا کی گئی۔(شرح المواہب، ج:۱،ص:۲۷۶)

نبوت کے ساتویں سال مقاطعۂ قریش کا واقعہ پیش آیا، آپ ﷺ کے ساتھ بنوہاشم اور بنومطلب شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے، اسی دوران آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہوئی۔(روض الانف، ج:۱،ص:۲۳۲)

نبوت کے آٹھویں سال مشرکین مکہ کے مطالبہ پر شق قمر کا بے مثال معجزہ رونما ہوا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص:۱۱۸)

نبوت کے نویں سال میں بھی شعب ابی طالب میں ہی محصور رہے۔ نبوت کے دسویں سال مقاطعہ ختم ہوا۔(طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۱۳۹)

اور اسی سال آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے تقریباً تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ t کا انتقال ہوا، حضور ﷺ نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا۔

(شرح المواہب، ج:۱،ص:۲۹۱)

اسی سال آپ ﷺ کا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے ہوا، اور اسی سال حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، لیکن رخصتی نہیں ہوئی اور اسی سال واقعۂ طائف بھی پیش آیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص:۱۳۵)

نبوت کے گیارہویں سال مدینہ سے آنے والے حاجیوں میں سے آپ ﷺ کی دعوت سے تقریباً چھ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، اس سے انصار کے اسلام کا آغاز ہوا۔(البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص:۱۴۸)

نبوت کے بارھویں سال آپ ﷺ کومعراج ہوئی اور اسی موقع پر امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔اسی سال بیعت عقبۂ اولیٰ ہوئی،اس میں ۱۲؍افرادمشرف بہ اسلام ہوئے۔

(شرح المواہب،ج:۱ص:۳۱۶)

نبوت کے تیرھویں سال بیعت عقبۂ ثانیہ ہوئی،جس میں ۷۳؍مرد اور ۲؍عورتوں نے اسلام قبول کیا۔اسی سال مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔اسی سال قریش نے نعوذ باللہ! آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔حضرت جبرئیلؑ نے آکر آپ ﷺ کوقریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔اجازت ملنے پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کوساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔حیات نبوی ﷺ کا مدنی دور جناب نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد کی حیات مبارکہ کا دور ’’مدنی دور‘‘ کہلاتا ہے،جو کہ بڑا تابناک دور ہے جس میں آپ کی اَن تھک کوششوں،محنتوں اور قربانیوں کے سبب اسلام کوغلبہ ہی غلبہ ملا،آپ کی جاںنثار جماعت قدسیہ کے سرفروشوں نے اسلام کی نشرواشاعت کے لیے آپ کے اشاروں پر اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔آپ ﷺ کے اس بے مثال دور کا نقشہ کھینچنے کی منظرکشی اتنی طویل ہے کہ شاید کئی ضخیم مجلدات کا پیٹ بھی اس موضوع کو اپنے میں نہ سما سکے،ذیل میں بہت ہی اختصار کے ساتھ ہجرت کے بعد کی زندگی کو اشارۃً بطور ایک جھلک کے پیش کیا جاتا ہے۔ہجرت کا پہلا سال: آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تین دن تک غارِ ثور میں رُوپوش رہنے کے بعد یکم ربیع الاوّل مدینہ کی جانب ہجرت کی،اسلام کی پہلی مسجد مسجد قباء کی بنیاد رکھی،مدینے کے یہودی اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کے عہد نامے ہوئے۔اسی سال حضرت سلمان فارسیؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔اسی سال مسجد نبوی کی بھی تعمیر کی گئی۔اذان واقامت کی ابتدا بھی کی گئی۔انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک مثالی بھائی چارہ قائم ہوا،جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔اسی سال شوال میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی بھی ہوگئی۔ہجرت کے دوسرے سال مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا،رمضان کے روزے، زکوٰۃ،صدقۃ الفطر اور عیدین کی نمازیں فرض ہوئیں۔مسجد اقصیٰ کے بجائے بیت اللہ کو جہت قبلہ قرار دیا گیا۔فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔آپ ﷺ کی لختِ جگر حضرت رُقیہؓ کا وصال بھی اسی سال ہوا۔حق وباطل کا پہلا غزوہ ’’بدر‘‘ بھی اسی سال پیش آیا۔ہجرت کے تیسرے سال آپ ﷺ کا حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ سے اور اس کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح ہوا۔حضرت حسن بن علیؓ کی ولادت ہوئی،آپ ﷺ کی لختِ جگر حضرت اُم کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح ہوا۔گستاخانِ رسول کعب بن اشرف اور ابورافع کو جہنم رسید کیا گیا۔اسی سال غزوۂ اُحد کا واقعہ پیش آیا۔ہجرت کے چوتھے سال بنونظیر کی جلاوطنی ہوئی۔حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی،اسی سال آپ ﷺ کا حضرت

ام سلمہؓ سے نکاح ہوا۔ اور شراب کے حرام ہونے کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔ ہجرت کے پانچویں سال شرعی پردہ کا حکم نازل ہوا، زنا کی سزا کا حکم ہوا، صلاۃ الخوف کی مشروعیت ہوئی، تیمم کی اجازت ملی، واقعۂ افک ہوا اور اماں عائشہؓ کی شان میں سورۃ النور نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کا حضرت جویریہ بنت حارثؓ سے اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح ہوا۔ غزوۂ خندق، غزوۂ بنی مصطلق اور غزوۂ بیر معونہ پیش آیا، جس میں ۷۰ رحفاظ صحابۂ کرامؓ کو دھوکے سے شہید کیا گیا۔ ہجرت کے چھٹے سال مالدار مسلمانوں پر حج فرض ہوا۔ سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ اسی سال حدیبیہ کی صلح ہوئی، آپ ۱۴۰۰ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوئے، صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد دیگر ممالک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں قحط پڑا جو آپ ﷺ کی دعا سے دور ہوا۔ ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ سے واپسی پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا، جس میں پورے لشکر کی نماز فجر قضا ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول کیا۔ ایک یہودی عورت زینب بنت حارث کی طرف سے آپ ﷺ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی، آپؐ کا حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ، حضرت میمونہ بنت حارثؓ، اور حضرت صفیہ بنت حییؓ سے نکاح ہوا، حضرت صفیہؓ آپ ﷺ کی آخری زوجہ ہیں۔ ہجرت کے آٹھویں سال حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، آپؐ نے عمرۃ القضاء فرمایا، غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو سفیانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ حنین وطائف ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اسی سال آپؐ کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک پیش آیا اور اس غزوہ سے واپسی پر منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو منہدم کر دیا گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کی موت ہوئی۔ اس سال ستر ۷۰ رسے زائد وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ اسی سال آپ ﷺ نے اپنی ازواجؓ سے ایلا کیا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ اسی سال آپ ﷺ گھوڑے سے گرے، جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش آئی، اسی سال حج فرض ہوا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر تین سو افراد کے ساتھ حج کے لیے بھیجا گیا۔ ہجرت کے دسویں سال مسیلمہ کذاب نے اور اسود عنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ حجۃ الوادع کے موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہراتؓ موجود تھیں، جن کی تعداد ۹ رتھی۔ اور صحابہ کرامؓ کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰ (ایک لاکھ) سے متجاوز تھی۔ اس موقع پر اسلام کے سارے اصول سمجھا دیئے گئے۔ جاہلیت کی رسموں کو اور شرک کی باتوں کو ملیا میٹ فرما دیا اور امت کو الوادع کہتے ہوئے پوری امت مسلمہ بلکہ پوری کائنات کو یتیم کرتے ہوئے اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

وصلى الله على النبى الأمى الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين

صدق واخلاص کی قابل تقلید مثالیں

مولانا بدرالحسن قاسمی

علامہ انور شاہ کشمیری کی علمی تحقیقات اور بیش قیمت افادات کے مستند راوی و ناقل اور قریبی رشتہ داری کی وجہ سے جلوت وخلوت کے حاضر باش ملفوظات کشمیری کے مرتب اور اردو شرح بخاری ''انوار الباری'' کے مصنف مولانا سید احمد رضا بجنوری جن کے بارے میں خود حضرت شاہ صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا: ''یہ صاحب اگر پہلے میسر ہو جاتے تو بڑا کام ہو جاتا۔''

جو ان کی پختہ علمی صلاحیت واستعداد اور فہم وفراست پر شاہ صاحب کے اعتماد کی کھلی دلیل ہے۔ مشہور حدیث " اذا وسدت الامانة الی غیر اهلها" پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے کئی ائمہ ومحدثین کے واقعات سنائے۔

فیض الباری میں مولانا بدر عالم میرٹھی نے اس کا ذکر کیا ہے مولانا احمد رضا بجنوری صاحب نے بھی اپنی تائید کے ساتھ اسے ہی نقل کیا ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ: امام شافعیؒ مالدار نہیں تھے جو تحائف اور ہدایا لوگ پیش کرتے تھے ان کو بھی فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اس لئے زندگی عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ ان کے شاگرد ابن عبد الحکم بڑے مالدار تھے وہ امام صاحب کی بہت خدمت کرتے تھے۔

امام شافعی ان کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے ضیافت کا بڑا اہتمام کیا باورچی کو انواع واقسام کا کھانا تیار کرنے کی ہدایت کی امام شافعی کی نظر کھانے کی فہرست پر پڑی تو آپ نے بھی اپنی رغبت کے ایک کھانے کی نشاندہی کی ابن عبد الحکم کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ استاذ کو ایک کھانا پسند ہے۔ 54 سال کی عمر میں امام شافعی کو احساس ہوا کہ زندگی اب زیادہ باقی نہیں رہی اور سفر آخرت کا وقت قریب ہے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ اپنا جانشیں منتخب کر دیں ابن عبد الحکم بھی وہاں موجود تھے اور گہرے تعلق اور خدمت کی وجہ سے انہیں بھی شاید توقع ہو، لیکن امام شافعی رح نے کسی کی رعایت کئے بغیر اپنا جانشیں امام اسماعیل بن یحی المزنی کو متعین کیا جو امام طحاوی کے ماموں تھے۔

فقہ حنفی کے امام ہدایہ کے شارح علامہ ابن الہمام نے ساری زندگی تدریس وتعلیم کی کوئی اجرت نہیں

لی، زاہد و عابد اور اپنے وقت کے شیخ طریقت تھے بادشاہ وقت ان کا بڑا معتقد تھا۔ علامہ بدرالدین العینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ان کے ہم عصر تھے لیکن خلیفہ مسائل کے بارے میں انہیں سے رجوع کیا کرتا تھا۔ ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے بھی اپنے بہت سارے شاگردوں کو چھوڑ کر علامہ قاسم بن قطلو بغا کو اپنا جانشیں منتخب کیا کیوں کہ تمام شاگردوں میں وہی فقہ اور حدیث میں مہارت کے ساتھ تقوی و طہارت میں بھی اوروں سے فائق تھے۔ ایسا ہی معاملہ بارھویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ ابوالحسن سندھی کا بھی ہے وہ اپنے استاذ شیخ محمد حیات سندھی کے درس میں عام طور پر خاموش اور ساکت وصامت بیٹھے رہا کرتے تھے جس سے عام لوگوں کو ان کے علم وفضل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن جب استاذ شیخ محمد کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں کو حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنا جانشیں شیخ ابوالحسن السندی کو بنایا جن کے علمی کارنامے آج بھی روشن ہیں۔

فیض الباری کے مرتب اور ترجمان السنہ کے مصنف مولانا بدر عالم نے اس فہرست میں یہ اضافہ کیا ہے کہ 1334ھ میں جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے سفر حجاز کا عزم فرمایا تو آپ کے بہت سے شاگرد لائق وفائق اور علم وفضل میں باکمال تھے لیکن آپ نے علامہ انور شاہ کشمیری کو اپنا جانشیں بنایا اور دارالعلوم دیوبند میں صحیح بخاری کا درس ان کے سپرد کیا حالانکہ وہ نہایت ہی خاموش طبیعت زاویہ نشیں اور شیخ ابوالحسن سندھی کی طرح نمود ونمائش سے کوسوں دور تھے اور یہ انتخاب بے حد برمحل ثابت ہوا اور سبھوں نے تسلیم کرلیا کہ شیخ الہند کا انتخاب الہامی اور ہر طرح مناسب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس فہرست میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی طرف سے مظاہر علوم میں شیخ الحدیث کی جگہ پر مولانا محمد یونس صاحب کے انتخاب کو بھی شمار کرنا چاہیے۔

انوار الباری شرح صحیح البخاری

ممتاز اہل قلم اور ارباب علم وتحقیق کی انوار الباری کے بارے میں رائے یہ ہے: اردو میں بخاری شریف کی یہ شرح مکمل ہوگئی اور خدا کرے جلد مکمل ہوجائے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا جو مولانا سید احمد رضا صاحب کے ہاتھوں انجام پائے گا جسکی نظیر اردو زبان میں خدمت حدیث کیلئے اب تک ظہور میں نہیں آئی۔ (مولانا ظفر احمد عثمانی)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے علم وفن کی جو خدمت انجام دی ہے وہ سب اپنی جگہ پر لیکن حضرت الاستاذ رح کے تعلق سے یہ اہم کام انجام دیکر ہم حلقہ بگوشان آستانہ انوری پر احسان عظیم کیا ہے اس سے ہم لوگ کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء عن سائر تلامذۃ الاستاذ الجلیل

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

معانی ومطالب حدیث کے علاوہ نتائج کی طرف بوضاحت اشارات قابل داد ہیں۔جگہ جگہ امام العصر کے جستہ جستہ ریمارکس نکات اور تطبیق نے چار چاند لگائے ہیں جن سے افادات کے انوار کی بارش ہوتی جاتی ہے۔جس شئ کی تمنا تھی خداوند قدوس آپکے علمی ذوق سے پورا کرار ہا ہے۔(مولانا مفتی مہدی حسن صاحب)

اللہ تعالی امت کو جلد اس گوہر گرانمایہ سے مستفید فرمائے اور امام العصر حضرت شیخ کے علوم و جواہر سے امت کو اس اردو شرح کے ذریعہ فیضیاب بنائے۔(علامہ سید محمد یوسف بنوری)

اللہ جل شانہ اس قیمتی شرح کو آپکے ہاتھوں تکمیل کو پہنچائے۔یہ کام اتنا قیمتی ہے کہ کہ پورا ہونے کے بعد عمروں قوم اس کام کی قدر کرے گی۔الحمد للہ علی ما وفقك وهداك (علامہ ابوالوفا افغانی)

صحیح بخاری کی بیشتر اردو شرحیں درسی تقریروں کا مجموعہ ہیں لیکن "انوار الباری" شرح صحیح البخاری باقاعدہ مولانا سید احمد رضا بجنوری کا امتیاز بھی علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے افادات اور اور علوم ومعارف کی تدوین ہی ہے لیکن اس میں کتاب کو حل کرنے کی جس طرح کوشش کی گئی ہے وہ کسی دوسری اردو شرح یا شاگردوں کی طرف سے مرتب کردہ املائی درسی تقریروں میں نظر نہیں آتی۔

مولانا سید احمد رضا صاحب کی کتاب اگر مکمل ہو جاتی تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ ''فیض الباری'' اور'' العرف الشذی'' وغیرہ میں جو غلطیاں رہ گئی ہیں یا شاہ صاحب کی آراء کو نقل کرنے میں تسامحات ہوگئی ہیں ان کی تصحیح ہو جاتی۔

''العرف الشذی'' کی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی تصحیح اور حوالوں کی مراجعت تو ایک حد تک علامہ محمد یوسف بنوری کی "معارف السنن" کے ذریعہ ہوگئی ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی مکمل نہیں ہوسکی۔

مثال کے طور پر خود مولانا ہی کی زبانی سنیے:

فیض الباری ج 2 ص 76 پہ ہے: ترجمة الباب سترة الامام سترة من خلفه" یہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں جس کی اسناد ساقط ہے اسی لئے امام بخاری نے اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

یہاں ترتیب املاء کے وقت تسامح ہو گیا اور مراجعت کتب کے ذریعہ تصحیح بھی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے غلطی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہوگئی (افسوس ہے کہ ایسی مسامحات بکثرت ہوئی ہیں فلیتنبہ لہ)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے بجائے ابن ماجہ کے طبرانی فرمایا تھا اور وہی صحیح بھی ہے۔علامہ عینی،

حافظ ابن حجر عسقلانی، الجامع الصغیر میں علامہ سیوطی نے اور کنوز الحقائق میں علامہ مناوی نے بھی طبرانی ہی کا حوالہ دیا ہے ابن ماجہ کی طرف اس حدیث کو کسی نے منسوب نہیں کیا احقر نے بھی مراجعت کی تو اس میں یہ موجود نہیں ہے (انوار الباری ج14 ص368)

اس لئے نہ یہ صحیح ہے کہ وہ حضرت کے امالی میں سب سے معتمد ہے اور نہ بات کہ حضرت کے مطالعہ سے گزر چکی ہے۔(انوار الباری ج14 ص448)

مولانا سید احمد رضا بجنوری کی کتاب انوار الباری میں صحیح بخاری کے فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنے فقہ حنفی کی تائید میں دلائل فراہم کرنے اور بخاری کے شارحین خاص طور پر علامہ بدرالدین عینی کے مناقشات نقل کرنے کے ساتھ اپنے معاصر مصنفین کی غلطیوں پر تنبیہ کرنے کا فریضہ بھی بڑی قوت سے انجام دیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے جہاں صحیح بخاری کے عرب شارحین سے اختلاف کیا اور ان کی مسامحات کا ذکر کیا ہے وہیں مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی بعض تحقیقات سے اختلاف کیا ہے۔بعض دوسرے عصری مسائل میں مولانا ابو الکلام آزاد ،علامہ سید سلیمان ندوی، سید ابوالاعلی مودودی وغیرہ کی آراء اور تحقیقات پر بھی تنقیدیں کی ہیں جن سے ان کی دقت نظر حاضر دماغی گہرے علم اور وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب کی مرتب کردہ کتاب صحیح بخاری پر حضرت شاہ صاحب کے امالی کا مجموعہ"فیض الباری" بڑی محنت سے مرتب کیا گیا تھا اور مرتب نے ''البدر الساری'' کے نام سے نہایت ہی قیمتی علمی حاشیہ بھی لکھا ہے۔اس کی طباعت کے لئے مجلس علمی کی طرف سے علامہ مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احمد رضا بجنوری صاحبان کو مصر بھیجا گیا تھا اس کے بارے میں خود مولانا احمد رضا صاحب فرماتے ہیں:

امالی مرتب کرائی گئی چنانچہ فیض الباری کو مصر سے شائع کیا گیا مگر افسوس ہے کہ اس سے جتنی امیدیں وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں کیونکہ اس میں نہ صرف ضبط و کتابت کی بے شمار غلطیاں ہیں بلکہ کتابوں کے حوالوں میں بھی مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے فاحش غلطیاں ہوگئی ہیں۔اس لئے انوار الباری میں ایسی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی اصلاح پیش نظر ہے تاکہ حضرت کے علوم وافادات کو حتی الوسع صحیح صورت میں پیش کیا جا سکے۔(تصویر انور ص86،87)

مولانا احمد رضا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ: علامہ شبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے علامہ محمد انور شاہ کا رسالہ "کشف الستر عن صلاۃ الوتر" 17 بار مطالعہ کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت نے کن کن مشکلات اور اشکالات کا حل فرما دیا ہے۔

مولانا احمد رضا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے رسالہ مذکورہ اور نیل الفرقدین "بسط الیدین لنیل الفرقدین" اور مرقاۃ الطارم" وغیرہ کی یادداشتیں احقر کے سپرد فرما کر نقل وترتیب کا کام کرایا تھا جسکی مجلس علمی ڈابھیل سے اشاعت ہوئی اور یہ ادارہ حضرت ہی کے علوم کی اشاعت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: حضرت کی اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق بھرے ہوئے گھر پر تھے ان سے سیکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی اور آج یہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ، معانی الآثار للطحاوی وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں مگر افسوس کہ حضرت کی وفات کے بعد اس بے مثال خزینہ میں ہمیں کچھ بھی نہ مل سکا بلکہ حضرت کی وہ کتابیں جن پر حضرت نے اپنے قلم سے حواشی لکھے تھے وہ بھی حاصل نہ ہو سکے۔ ''انوار الباری'' میں بہت سے ایسے تبصرے اور علمی افادات ہیں جو کہیں اور نہیں مل سکتے۔

موجودہ زمانہ کی سیرت کی کتابوں کے بارے میں ایک جگہ ہے کہ: سیرت کبری'' تالیف علامہ دلاوری نہایت عمدہ اور قابل قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ ناقص رہ گئی ''رحمۃ للعالمین'' بھی بعض اعتبارات سے عمدہ اور قابل قدر ہے مگر بعض اہم امور کو نظر انداز کر دیا ہے مثلاً غزوات کی تفصیل وغیرہ۔

''سیرۃ النبی'' کے اندر خلاف توقع بہت سی جگہ تحقیق کا حق ادا نہیں کیا گیا اور مضامین کی غلطیاں بھی ہیں۔ کاش اس کی نظر ثانی حضرت سید (سلیمان ندوی) صاحب آخر عمر میں کر لیتے جبکہ انہوں نے اسکے بعض مضامین سے رجوع بھی کر لیا تھا اور انکی زندگی میں بڑا انقلاب آچکا تھا۔

اپنے ایک مکتوب میں سید صاحب فرماتے ہیں: دوسری چیز یہ ہے کہ جمہور اسلام جس مسئلہ پر اعتقادی وعملی طور پر متفق ہوں اس کو چھوڑ نے تحقیق کی نئ راہ نہ اختیار کی جائے۔ یہ طریق تواتر اور توارث کی بیخ کنی کے مرادف ہے۔ اس گناہ کا مرتکب کبھی میں خود بھی رہ چکا ہوں اور اس کی اعتقادی وعملی سزا بھگت چکا ہوں۔ اس لئے دل سے چاہتا ہوں کہ کہاں میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے تا کہ وہ اس سزائے محفوظ رہے جوان سے پہلوں کو مل چکی ہے۔ (انوار الباری ج 12 ص 87)

انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ دلچسپ فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ: کبھی حضرت شاہ ولی اللہ اور سرسید احمد خان دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور ایک سے کفر۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے امالی اور درسی افادات کے بارے میں آئندہ کام کرنے والوں اور ان سے استفادہ کرنے والوں کے لئے مولانا سید احمد رضا صاحب کا یہ تجزیہ بے حد مفید ہے: اس وقت حضرت کے امالی درس حدیث میں سے العرف الشذی، انوار المحمود، معارف السنن اور انوار الباری سامنے ہیں، جن میں

سے صرف العرف الشذی آپ کی حیات میں شائع ہوئی تھی یہ زمانہ صدارت تدریس دارالعلوم کی یادگار رہے جب آپ ترمذی اور بخاری دونوں کا درس دیا کرتے تھے اور حدیثی تحقیقات کو دونوں کے درس پر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ کے درس میں ایک بار حضرت تھانوی قدس شاہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کے درس کی شان بہت عجیب ہے اور آپ کے صرف ایک جملہ کی شرح میں ایک رسالہ تصنیف کیا جاسکتا ہے۔ العرف الشذی کی تالیف سب سے پہلی کوشش تھی اور مواد کی کثرت وفراوانی کے لحاظ سے اس میں حضرت کے درس ترمذی شریف کی کافی جھلک آ گئی ہے۔ کتاب میں بعض خامیوں اور طباعت کی غلطیوں کے باوجود اس کے مؤلف مولانا محمد چراغ صاحب کا مدارس کے اساتذہ وطلبہ پر احسان عظیم ہے کہ اس کے ذریعہ انہوں نے علوم انوریہ اور تحقیقات نادرہ علمیہ کے دروازے کھول دیے پھر مدارس عربیہ میں اسی طریقہ پر درس حدیث کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین صاحب اور پاکستان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب خاص طور سے شاہ صاحب کے تحقیقاتی دروس کی امتیازی خصوصیات کو باقی رکھنے میں کامیاب ہیں۔

دوسری کوشش ''انوار المحمود'' کی شکل میں جلوہ گر ہوئی جس کی تالیف 1344ھ میں ہوئی یہ کام کافی محنت اور کاوش کے ساتھ ہوا اور طباعت سے قبل حضرت شاہ صاحب کے ملاحظہ میں بھی آ گیا تھا اگرچہ بالاستیعاب نہ دیکھ سکے تاہم آپ نے جن مواضع کو دیکھا ان کی عبارت اور مضمون کی توثیق فرمائی اور اس کوشش کو سراہا اور العرف الشذی سے اس کو بہتر قرار دیا البتہ طباعت آپ کی زندگی نہیں ہوسکی اور طباعت کی کچھ غلطیاں بھی رہ گئیں جن سے بچنے کی آپ نے تلقین فرمائی تھی۔ تیسرے نمبر فیض الباری کا نام آتا ہے جس کی تالیف شاہ صاحب کی وفات کے بعد شروع ہوئی اور حضرت کے ملاحظہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں آسکا اور اس میں بہت سی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ اس کے بعد معارف السنن کا نمبر ہے جو بہت اہتمام سے اور مراجع کی تحقیق کے ساتھ تالیف کی گئی ہے سیرۃ النبی کے بارے میں ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

افسوس ہے کہ سیرۃ النبی جیسی محققانہ کتاب میں معراج کے عظیم ترین واہم واقعات تک کی ترتیب وبیان میں تسامحات ہوگئے ہیں اور بہت سے واقعات کی تصحیح وتغلیط میں بھی قلم غیر محتاط ہوگیا ہے کاش سید صاحب آخر عمر میں اس کے مضامین پر نظر ثانی فرمالیتے جبکہ انہوں نے ''رجوع واعتراف'' بھی شائع کردیا تھا اور بہت سی مسامحات پر وہ خود بھی متنبہ ہوچکے تھے۔ ضرورت ہے کہ اب کوئی محقق عالم اس اہم خدمت کی طرف توجہ کرے تاکہ عظیم وجلیل تالیف مبارک کے افادات قیمہ سے دنیائے اسلام کو اور زیادہ فائدہ پہنچے۔ (ج 11 ص 50)

حقیقت یہ ہے کہ ''انوار الباری''میں صحیح بخاری کی تفہیم وتشریح اور علامہ انور شاہ کشمیری کے گراں قدر علمی افادات کے ساتھ بے شمار فنی نکات اور اپنے زمانہ کی نامور شخصیتوں کی تحریروں اور ان کے افکار وتحقیقات پر بصیرت افروز تبصرے اور معلومات افزا تنقیدیں بھی آ گئی ہیں وہ کہیں اور نہیں مل سکتیں، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے جو باتیں بھی لکھی ہیں پوری تحقیق کے ساتھ اور ہر جگہ ان کے مراجع کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔افسوس ہے کہ انوار الباری مرتب کرنے کا خیال ان کو بہت بعد میں آیا اس لئے کتاب مکمل نہ ہو سکی اور ایک بڑے علمی خزانے سے دنیا محروم رہ گئی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے مسودات کا سراغ لگایا جائے۔ان کی اپنی یادداشت کے مطابق انہوں نے ڈابھیل میں دو سال تک علامہ انور شاہ صاحب کے دورہ حدیث کے سبق میں شرکت کی اور ان کی درسی تقریریں لکھنے کی کوشش کی انہیں ایام میں مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب بھی شاہ صاحب کے امالی لکھتے رہے جو بعد میں فیض الباری" کے نام سے عربی میں شائع ہوئی۔ان کے بیان کے مطابق دونوں میں فرق یہ تھا کہ مولانا احمد رضا صاحب تقریریں اردو میں لکھتے تھے جبکہ مولانا بدر عالم صاحب حب اردو تقریروں کو عربی میں قلم بند کیا کرتے تھے۔اب کی رائے میں فیض الباری میں غلطیاں رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی کہ گہرے علمی مضامین کو جو شاہ صاحب کی زبان سے ایک سیل بے کراں کی شکل میں نکلتا تھا ان کو ساتھ ساتھ عربی میں منتقل کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی لکھی ہوئی باقی درسی تقریریں کہاں ہیں؟ان کے وارثین کے پاس اگر محفوظ ہیں تو تحقیق وتعلیق کے ساتھ ان کو بھی شائع کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔اسی طرح انہوں نے حضرت شاہ صاحب کی اپنی علمی یادداشتوں کے جن تین کارٹونوں یا صندوقوں کا انہوں نے ذکر کیا ہے ان کا بھی سراغ لگانا چاہیے تا کہ اس علمی خزینہ اور بیش بہا گنجینہ سے امت فیضیاب ہو سکے اور مطبوعہ امالی میں رہ جانے والی خامیوں کی بھی امکانی حد تک تلافی کی بھی کوشش کی جا سکے۔

مولانا ارشد رضا بجنوری اور مولانا احمد خضر شاہ صاحبان ہی اس سلسلہ میں ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں اور علوم وتبرکات انوری کے براہ راست یا بالواسطہ اس وقت اصل وارث بھی یہی ہیں۔

خدا کرے ڈابھیل کے اس اجتماع میں علم وفضل کے ان سرچشموں کا کچھ سراغ لگ سکے اور اہل علم کے لئے نئی خوشخبری سامنے آئے اور فیض الباری اور دیگر امالی کی مزید تنقیح ہو سکے کہ ابھی ع:

ہزار بادہ ناخوردہ در رگ تاک است

وكل امر مرهون بأوقاته

……✦……

قسط (۱۰)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

منطق وفلسفہ

دیگر عوم وفنون کی طرح فلسفہ قدیم وجدید اور منطق میں بھی یہی نہیں کہ آپ کامل دسترس رکھتے تھے، ان کی جزئیات وکلیات پر آپ کو مکمل عبور تھا، بلکہ ان فنون میں بھی آپ کو مجتہدانہ شان حاصل تھی اور اس فن میں امتیاز رکھنے والے معقولی وفلسفی کی طرح بہت سے نئے نکات آپ نے دریافت بھی کئے۔

''ابطال جزء لایتجزیٰ'' فلسفہ کا عام مسئلہ ہے، تمام فلاسفہ اس کے ابطال پر متفق ہیں۔ آپ نے فلاسفہ کے اس دعویٰ کی اس وقت دھجیاں اڑائی تھیں، جب کسی نے ایٹمی توانائی کا نام بھی نہیں سنا تھا۔''

(تصویر انور، ص:۴۵)

''حدوث عالم فلسفہ وعلم کلام کا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، آپ نے اس پر دو رسالے تالیف کئے ہیں۔ ایک ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور دوسرا ''مرقاۃ الطارم لحدوث العالم''۔ پہلا رسالہ چار سو اشعار پر مشتمل ہے، ان چار سو اشعار میں کتنے حوالے ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان حوالوں کو جمع کرنے بیٹھے تو ایک سو صفحات میں آئے۔ مشہور فلسفی علامہ اقبال مذکورہ رسالے پر اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''حدوث عالم پر اس رسالہ میں جو کچھ لکھا ہے، حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ (ایضاً، ص:۳۳۹)

علامہ فرماتے ہیں: فلاسفہ میں کوئی حدوث ذاتی کا قائل نہ تھا۔ یہ نظریہ ابن سینا نے پیش کیا، وہ اسلام اور فلسفہ کو متحد کرنا چاہتا تھا۔ یونانی فلاسفہ، افلاک وعناصر کو قدیم بالشخص اور جمادات، نباتات، حیوانات کو قدیم النوع مانتے ہیں۔ میں نے اس کا بطلان اپنے رسالہ ''مرقاۃ الطارم'' میں کیا ہے۔ ابن رشد نے ''تہافت الفلاسفۃ'' میں امام غزالی پر اعتراضات کیے ہیں، میں نے ایک مکمل رسالہ میں اس کی تردید کی ہے۔ مگر یہ ابھی طبع نہیں ہوا ہے۔ (نوادرات، ص: ۲۰۵)

دوسرے رسالے کی اہمیت اور کسی معقولی کے نزدیک اس کے علمی مواد کا معیار کیا ہے، اسے علامہ بنوری ہی سے سنئے:

''ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری جو رد مادیین ودھریین میں نہایت متخصص عالم تھے، اسے پڑھ کر فرمایا: ''میں نہیں جانتا تھا کہ فلسفہ وکلام کا دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی دنیا میں کوئی زندہ ہے''۔ پھر فرمایا: ''جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جاچکا ہے، اس رسالہ کو ان سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اسفار اربعہ پر بھی اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں۔'' (حیات انور، ص: ۳۴۱)

آپ کی علمی ودرسی تقاریر میں بھی اس فن کا اثر ظاہر رہتا تھا، چنانچہ دوران درس اگر معقولات کی بحث چلی نکلتی اور آپ معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث معقولات کے کسی مسئلہ پر بھی تردید کے لئے قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی۔ (تصویر انور، ص: ۱۰۲)

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: جب عقلی مسائل پر اتفاقاً کچھ فرمانے کا موقع آجاتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نادان بچوں سے زیادہ ان کے سامنے بڑے بڑے فلاسفہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

'' (ایضاً، ص: ۲۵۹)

''علامہ اقبال نامور فلسفی شاعر ہونے کے علاوہ فلسفہ کے دقیق النظر عالم تھے اور فلسفہ یونانی اور اسلامی بھی، اور عہد حاضر کا فلسفۂ مغرب بھی، اس کے علاوہ اسلامیات کا مطالعہ بھی وسیع تھا، لیکن اس کے باوجود اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے اپنے انگریزی کے چھ لکچروں کی تیاری میں حضرت علامہ سے کافی مدد لی ہے۔'' (ایضاً، ص: ۳۳۸)

''علامہ کشمیری ہی نے سب سے پہلے علامہ اقبال پر نیوٹن کے فلسفے کی مستعار نوعیت واضح اور مدلل طور پر ثابت کیا کہ اس کے فلسفے اور مکاشفات کی بنیاد عراقی کے مکاشفات سے ماخوذ ومستعار ہیں۔ (ایضاً، ص: ۱۲۶)

مولانا سید محمد طلحہ جنھیں علوم قدیمہ وجدیدہ سے اچھا شغف تھا اور لاہور کے ایک کالج میں عربی کے استاذ تھے، کہتے ہیں کہ: میں نے علامہ سے GRAVITY (کشش) کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے وہی کہا، جس کو میں سائنس کے پروفیسروں سے سنتا رہا ہوں۔'' (ایضاً، ص: ۵۵)

جدید علم ہیئت اور سائنس کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ: بنسبت قدیم علم ہیئت کے جدید علم ہیئت وسائنس چوں کہ مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لئے وہ قدیم سے زیادہ قابل وثوق ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کے اسلامی تعلیمات سے جدید سائنس کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، بلکہ وہ اس سے زیادہ قریب ہے۔

(نقش دوام، ص: ۱۱۷۔ تصویر انور، ص: ۸۲)

فرماتے تھے'' مناطقہ کے اقوال میں اتنا تناقص دکھا سکتا ہوں کہ ابن سینا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ افلاک میں ہیولی ہے یا نہیں؟ یہ ابن سینا کی اُپچ ہے اور ارسطو کی طرف اسے منسوب کرتا ہے، حالانکہ ارسطو افلاک میں تقسیم وہمی کا قائل نہیں، ان معقولیوں کو دین کی خبر تک نہیں ہے، فنون پر قلم اٹھاتے ہیں، لیکن کوئی کارآمد نہیں، فنون میں لکھتے ہیں وہ بھی ناقص۔ (نوادرات، ص: ۲۰۶)

(جاری)

ووٹ چوری ایک سنگین جرم!

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

گناہوں کی قران وحدیث میں بہت مذمت کی گئی ہے، اور جس کو لوگوں کے عرف میں بھی بہت مذموم سمجھا جاتا ہے، ان میں ایک چوری ہے، اصل میں چوری مالک کی اجازت کے بغیر ایسے مال کے چھپا کر لینے کو کہتے ہیں، جس کو اس نے حفاظت میں رکھا ہو، مثلاً اپنے کمرے میں یا اپنے صندوق میں رکھا ہو، اور چوری کی جو شرعی سزا ہے: ہاتھ کا کاٹنا، وہ اسی نوعیت کے فعل پر ہے، اگر کوئی شخص بظاہر کسی غیر محفوظ جگہ سے کوئی چیز اٹھالے، تو اگرچہ یہ بھی چوری ہے؛ لیکن اس پر چوری کی سزا نافذ نہیں ہوتی، چوری کی سزا کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دو (مائدہ: ۳۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سزا کو نافذ بھی کیا ہے، اور چور کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کٹوایا ہے۔ (مسلم عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۱۶۸۴، باب حد السرقۃ)

اس سے اس جرم کی شناعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، چوری اُن سنگین جرائم میں شامل ہے، جن کے لئے حدود مقرر ہیں اور اس کے مرتکب کو مقررہ سخت سزا دی جاتی ہے۔

حقیقت میں تو چوری کا تعلق مال کے لینے سے ہے، مگر بے جا طور پر چھپا کر کوئی چیز حاصل کرنے اور اپنی ذمہ داری میں کوتاہی برتنے کو بھی ''چوری'' کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بغیر دعوت کے کسی دعوت میں شریک ہو جائے، وہ آیا چور بن کر اور واپس ہوا غارت گر بن کر: دخل سارقا وخرج مغیرا (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۷۴۱، باب ماجاء فی اجابۃ الدعوہ)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی چوری کا ذکر فرمایا، اگر کوئی شخص نماز ادا کرے اس کے ظاہری افعال کو انجام دے؛ لیکن صحیح طریقہ پر رکوع سجدہ نہ کرے، تو وہ بدترین چوری ہے۔
(سنن دارمی عن ابی قتادہ، حدیث نمبر: ۱۳۶۷)

گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے حق میں سے چوری کی ہے،ایسی چوریوں پر اگر چہ شرعی سزا نافذ نہیں ہوگی؛لیکن یہ بھی ایک سنگین جرم ہے،اور اس سے بچنا بھی ضروری ہے،اسی طرح اگر کوئی مال اس طرح محفوظ نہ کیا گیا جیسے مثلا کوئی چیز بغیر قفل کے عوامی جگہ پر چھوڑ دی گئی،اور کسی نے اس کو بلا اجازت استعمال کرلیا،تو یہ بھی چوری کے دائرہ میں آتا ہے،جیسے بجلی کی چوری،ظاہر ہے بجلی کسی کمرے یا صندوق میں بند کر کے نہیں رکھی جاتی؛لیکن اگر کوئی شخص غیر مجاز طریقہ پر استعمال کرے اور اس کا بل ادا نہ کرے تو یہ بھی چوری میں شامل ہے،اسی طرح اگر حکومت کو اپنی آمدنی کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں کی گئیں،حکومت نے منصفانہ طور پر اس کی آمدنی میں جو ٹیکس رکھا ہے،اس کو ادا نہیں کرے،اپنی دولت کو چھپائے اور غلط بیانی سے کام لے تو یہ بھی ٹیکس کی چوری ہے اور اس پر بھی انسان اللہ کے پاس جواب دہ ہوسکتا ہے،چوری کی بعض اور صورتیں بھی ہمارے سماج میں پائی جاتی ہیں،جن کا مال سے براہ راست تعلق نہیں ہے؛مگر عرف میں ان کو چوری کہا جاتا ہے،جیسے امتحان میں کوئی امیدوار کتاب دیکھ کر پرچہ لکھے،یا کسی دوسرے کی مدد سے لکھے تو یہ بھی چوری کہلاتی ہے،اسی طرح چوری کی ایک قسم وہ ہے،جس کا تعلق تصنیف وتالیف اور علمی سرمایہ سے ہے،کسی کی کتاب دوسرا شخص اپنے نام سے چھاپ لے،کسی کے مضمون کو اس کا حوالہ دیے بغیر اپنے نام سے شائع کرلے،کسی کی تحقیق کو اس کا ذکر کئے بغیر اپنی طرف منسوب کرلے،یا اپنی تحقیق کی حیثیت سے پیش کرے،یہ سب علمی سرقہ کی مختلف شکلیں ہیں اور یہ پہلے بھی پیش آتی رہی ہیں،ایک بڑے صاحب علم نے اپنے معاصر کی اس حرکت کو ہدف بناتے ہوئے ایک رسالہ ''الفارق بین المصنف والسارق'' تالیف کیا ہے،یہ اور اس طرح کی چوری کی بہت سی صورتیں ہیں،جس پر اگر چہ چوری کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جاسکتی؛مگر یہ ہے بہت مذموم اور شرمناک،اور جھوٹ اور دھوکہ کے گناہ کو شامل ہے،موجودہ دور میں چوری کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے،جس کا نقصان مال وزر کی چوری سے بھی بڑھ کر ہے،اور وہ ہے ووٹ کی چوری،یہ چوری چھوٹے موٹے غریب ومفلس اور ان پڑھ لوگ نہیں کرتے؛بلکہ پڑھے لکھے،ذی حیثیت مالدار اور سماج میں اثر ورسوخ رکھنے والے افراد کرتے ہیں،اور اکثر اوقات اس چوری کا مقصد ہوتا ہے ناجائز طریقہ پر کسی عہدے کو ہتھیا لینا،جو اس کا اصل مستحق تھا اس کو اس سے محروم کردینا،اور بے جا طریقہ پر اقتدار کی کرسی پر مسلط ہوجانا،جن ممالک میں آمرانہ نظام قائم ہے یا بادشاہت کا دور دورہ ہے،وہاں تو یہ چوری کھلے عام ہوتی ہے؛کیونکہ اس کو قانون اور دستور کا حصہ بنالیا گیا ہے،نہ کوئی زبان ہے جو اسے ٹوک سکے اور نہ کوئی قلم ہے جو اسے روک سکے؛لیکن وہ ممالک جو جمہوریت اور سیکولرزم کا نعرہ لگاتے ہیں،اور یہ نظریہ ان کے دستور کا حصہ ہے،وہاں بھی مختلف طریقوں پر کہیں چھپ کر،کہیں زور زبردستی سے

اور کہیں دھوکہ دہی کے ذریعہ اس عمل کو انجام دیا جاتا ہے، اس وقت ہمارا ملک اسی صورتحال سے دوچار ہے، پورا ملک ووٹ چوری کے نعرے سے گونج رہا ہے، موجودہ حکومت نے اقتدار کے حرص میں ووٹر لسٹ میں بڑے پیمانے پر ہیر پھیر کی ہے، جو نام نہیں تھے انہیں شامل کیا گیا ہے، جو نام شامل تھے انہیں بلا وجہ نکال دیا گیا ہے، اور دیدہ دلیری یہ ہے کہ جو لوگ اس کے مرتکب ہیں، وہ ووٹر لسٹ کی فہرست اور ووٹنگ کی الیکٹرانک رپورٹ بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔اس پس منظر میں بجا طور پر پورے ملک میں کہرام برپا ہے، اللہ کرے اس کا کچھ بہتر نتیجہ سامنے آئے۔

اگر ہم شرعی نقطۂ نظر سے غور کریں تو بعض اعمال کی حیثیت مقصود کی ہوتی ہے، قرآن وحدیث میں متعین طور پر ان کا حکم دیا گیا ہے، جیسے نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ، بعض اعمال مقصود نہیں ہوتے ہیں، ان کی حیثیت ذریعہ اور وسیلہ کی ہوتی ہے، تو جو عمل جس بات کا ذریعہ ہو، جو حکم اس کا ہوگا، وہی حکم اس ذریعہ کا بھی ہے، جیسے چلنا ایک عمل ہے، اگر انسان اس لئے چلے کہ اسے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد پہنچنا ہے، تو اس کا یہ چلنا بھی عبادت کے درجہ میں ہے، اور اسے ہر قدم پر نیکی ملے گی، خود حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔(مسلم، حدیث نمبر: ۶۵۴)

اور اگر کوئی شخص شراب پینے کی نیت سے چلے اور اس کا قدم شراب خانہ کی طرف بڑھ رہا ہو، تو صرف اس کا شراب پینا ہی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ شراب خانہ کی طرف جانا بھی گناہ ہے، جوں ہی وہ گھر سے شراب خانہ کی طرف شراب پینے کی نیت سے نکلا، اسی وقت سے گناہ کا عمل شروع ہو گیا؛ اس لئے جس عمل کے بارے میں شریعت میں جائز وناجائز یا پسندیدہ وناپسندیدہ ہونے کا حکم صریحاً موجود نہیں ہو، دیکھنا چاہئے کہ وہ کس بات کا ذریعہ بنتا ہے، ایسی بات کا جو شریعت میں پسندیدہ ہے یا ایسی بات کا جو شرعاً ناپسندیدہ ہے؟

ووٹ کا حق حاصل کرنا اور موقع پر اس حق کا استعمال کرنا اس بات کا ذریعہ بنتا ہے کہ آپ اچھے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور سونپیں، اور بُرے لوگوں کو کرسی اقتدار سے دُور رکھیں، اور یہ ایک شرعی فریضہ ہے کہ جو شخص جس ذمہ داری کا اہل ہے، اس کو وہ ذمہ داری سونپی جائے: "أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا"۔(النساء:۵۸)

اور یہ بھی ضروری ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کو اس مقام پر پہنچنے نہیں دیا جائے، جہاں وہ دوسروں کے ساتھ ظلم وناانصافی کا ارتکاب کرسکتا ہے: وَلَا تَرْكَنُوْٓا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (ہود:۱۱۳)

اس لئے مسلمانوں کو نہ صرف ایک قومی فریضہ ؛ بلکہ ایک دینی فریضہ کی حیثیت سے بھی اس عمل کو دیکھنا چاہئے ، اور کوشش کرنی چاہئے کہ صد فیصد مسلمانوں کے نام ؛ بلکہ تمام شہریوں کے نام ووٹر لسٹ میں درج ہو جائیں۔

ہندوستان میں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ فرقہ پرست اور مسلم مخالف طاقتوں نے چوطرفہ حملہ شروع کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کے لئے جتنے ہتھیار ہو سکتے ہیں، وہ سب آزمائے جا رہے ہیں، فسادات کرائے جاتے ہیں، ہجوم کے ذریعہ قتل کی واردات پیش آ رہی ہیں، ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کی اجازت دی گئی ہے ؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے ، سوشل میڈیا کی ایک تربیت یافتہ فوج شب و روز جھوٹی خبریں پھیلانے کا کام کر رہی ہے، غرض مختلف جہتوں سے اسلام، مسلمان اور مسلم تاریخ کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان سب کے پیچھے اصل میں جو طاقت کام کر رہی ہے، وہ ہے اقتدار کی طاقت، اور ہندوستان جیسے ملک میں طاقت کا سرچشمہ ووٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) ان کے مقابلہ جہاں تک ہو سکے ، طاقت اور گھوڑوں کی تیاری رکھو، جن سے اللہ کے دشمن ، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ، اللہ جانتے ہیں تمہاری دھاک قائم رہے اور جو بھی تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے ، تمہیں پورا پورا دیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ حق تلفی نہیں ہوگی ۔ (الانفال:۶۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن طاقتوں کے مقابلہ کے لئے اپنی صلاحیت اور طاقت کے ذریعہ تیاری کا حکم دیا ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ طاقت حاصل کرنا ظلم کے لئے نہیں ہونا چاہئے ، ایسا نہیں ہو کہ اگر تم کو طاقت حاصل ہو جائے تو تم دوسروں پر ظلم ڈھانے لگو ؛ بلکہ یہ اس لئے ہو کہ ان پر تمہارا رعب طاری رہے ، ان میں یہ جرأت نہ ہو کہ وہ تم پر یا دوسرے بے قصور لوگوں پر ظلم کریں ، تیسری بات یہ فرمائی کہ تمہارے کچھ دشمن کھلے ہوئے ہیں ، جو علانیہ طور پر تمہارے خلاف کام کر رہے ہیں ، کچھ ایسے دشمن بھی ہیں جو آستین کے سانپ ہیں ، جن کی عداوت

اور منصوبہ بندی تمہارے سامنے نہیں ہے : تم انہیں نہیں جانتے ، اللہ ان کو جانتا ہے : "لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ " (الانفال:۶۰)

اور دفاع کی تیاری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بھی بیان کی ہے کہ جو کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے ، اللہ تعالیٰ تمہاری طرف اس کو لوٹائیں گے یعنی اس کا اجر عطا کریں گے : وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ ۔ (الانفال:۶۰)

اب اگر اس آیت کی روشنی میں غور کریں اور اسے ہندوستان جیسے ملک کے حالات پر منطبق کریں تو جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دشمن سے مقابلہ اور اس سے مدافعت کا سب سے بڑا ہتھیار حق رائے دہی ہے؛ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں طاقت مہیا کرنے سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جو کسی قوم کو قوت فراہم کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں: "هذا عام في كل ما يتقوىٰ به على حرب العدو" (مفاتیح الغیب: ۱۵/۴۹۹)

مشہور مفسر علی بن محمد الشیحی خازن (م: ۷۴۱) لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دفاع کے لئے ضروری اسباب مہیا رکھے جائیں: "الإعداد اتخاذ الشئي لوقت الحاجة اليه" (تفسیر خازن: ۲/۳۲۲)

اور ایک جمہوری نظام میں دفاع کا ہتھیار حاصل کرنے اور اس کو محفوظ کرنے کی صورت یہی ہے کہ ہم اپنا نام ووٹر لسٹ میں درج کرائیں کہ ووٹ ہی ہمارا ہتھیار ہے۔

پھر اسی ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ طاقت کا حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا صرف ظلم سے بچنے کے لئے جائز ہے، ظلم کرنے کے لئے جائز نہیں ہے، مثلاً اگر کسی خطہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور وہاں مسلمانوں کے ووٹ سے مسلم نمائندہ منتخب ہو جائے تو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حلقہ میں بسنے والے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کا سلوک کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو نہ صرف ملک کے قانون؛ بلکہ شریعت کی رُو سے بھی اس کا یہ عمل درست نہیں ہوگا، تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ دفاع کی جو بھی جدوجہد ہو، اس میں پیسہ خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے، ووٹر لسٹ میں ناموں کے اندراج کی جو مہم چلائی جائے، اس میں مالی وسائل کی بھی ضرورت پیش آئے گی؛ تاکہ اس کام کے لئے کچھ فعال لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں، اس میں خرچ کرنا بھی کارِ ثواب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ظلم کو روکنے، ظالم کا مقابلہ کرنے اور اپنا تحفظ کرنے کے لئے ممکن وسائل سے استفادہ فرمایا ہے، مکہ میں اسلام سے پہلے قبائلی نظام قائم تھا، نہ کوئی حکومت تھی، نہ عدالت اور نہ کوئی قانون، ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کی حفاظت کیا کرتا تھا، ظاہر ہے یہ مزاج کہ صرف ہم قبیلہ ہونے کی بنیاد پر کسی شخص کی حمایت کی جائے، اور دوسرے کی مخالفت، اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہے؛ لیکن مکہ کے حالات کی بنیاد پر آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا، اور قدیم نظام کے مطابق بنو ہاشم اور بنو مطلب نے آپ کی حفاظت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب دشمنان اسلام نے نعوذ باللہ آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو طے کیا کہ اس ناشائستہ کام میں ہر قبیلہ کا نمائندہ شریک ہو؛ تاکہ بنو ہاشم بدلہ نہ لے سکیں،

یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے حضور ﷺ کا بائیکاٹ کیا تو بنو ہاشم بھی اس بائیکاٹ میں آپ کے شریک، اور پشت پناہ رہے۔

عربوں میں ایک طریقہ پناہ لینے کا تھا، باہر سے آنے والے لوگ یا کم تعداد کے حامل قبیلہ کے افراد کسی بڑے اور مضبوط قبیلہ کی پناہ میں آجاتے تھے، اور اس قبیلہ کے لوگ ان کا تحفظ کیا کرتے تھے، بعض صحابہ نے قریش کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا، جب آپ کا بائیکاٹ کر دیا گیا تو آپ نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں؛ چنانچہ بہت سے صحابہؓ نے ہجرت فرمائی، حضرت ابوبکرؓ بھی ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوئے، جب ''بَرک غماد'' نامی جگہ پر پہنچے جو مکہ سے ایک دو دن کے فاصلہ پر تھا تو ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی، یہ ''قارہ'' نامی قبیلہ کے سردار تھے، اس قبیلہ کا تیر اندازی میں بڑا شہرہ تھا، ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھ کو میری قوم نے نکال دیا ہے؛ اس لئے میں نکلا ہوں کہ زمین میں گھومتے پھرتے اپنے پروردگار کی عبادت کروں، ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے ٹھیک انھیں اوصاف کا ذکر کیا، جن کا ذکر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے حراء سے لوٹنے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں کیا تھا، اس نے کہا: تم جیسے شخص کو نکالا نہیں جا سکتا، تم تو ناداروں کو کمائی کراتے ہو، رشتہ داروں کے ساتھ حُسن سلوک کرتے ہو، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہو، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہو، اگر کوئی مصیبت آجائے تو مدد کرتے ہو، تم جیسے شخص کو کیسے نکالا جا سکتا ہے؟ میں تم کو پناہ دیتا ہوں، تم مکہ واپس چلو، اور اپنے شہر میں رہتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرو، حضرت ابوبکر صدیقؓ ابن دغنہ کے ساتھ واپس تشریف لے گئے، چند دنوں اس کی پناہ میں رہے اور پھر اس پناہ سے دستبردار ہو گئے۔ (سیرت حلبیہ: ۱/ ۴۲۸، عربی ایڈیشن)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جس ملک اور جس علاقہ میں رہتا ہو اور جس نظام کے تحت زندگی گزارتا ہو، وہاں اپنے تحفظ کا جو پُرامن ذریعہ میسر ہو، اس کو اختیار کرنا چاہئے اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے، یہ دین کی نظر میں مطلوب ہے۔

حفاظت اور دفاع کے لئے جسمانی طاقت کا استعمال ضروری نہیں، کوئی بھی ایسی طاقت جس سے مقصود حاصل ہو جائے، خواہ مادی طاقت ہو یا معنوی، یہ سب دفاع کی تیاری میں شامل ہے، اور موقع کے لحاظ سے ان کا استعمال کرنا اسلام میں مطلوب ہے، شعر و شاعری کو قرآن نے زیادہ پسند نہیں کیا ہے: **والشعراء يتبعهم الغاوٗون** (الشعراء: ۲۲۴)

کیوں کہ شاعروں کے یہاں آوارہ خیالی، مبالغہ، خلاف واقعہ دعوؤں کی کثرت ہوتی ہے؛ اسی لئے

مسجد میں اشعار پڑھنے کو فقہاء نے منع کیا ہے ؛ لیکن عربوں کے یہاں اشعار کسی بات کو پھیلانے اور پہنچانے کا بہت مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی ترجمانی اور دفاع کے لئے اس سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے، بامقصد اشعار کہنے والے شعراء کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے؛ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے، اور وہ منبر پر کھڑے ہو کر آپ کی طرف سے دفاع کے اشعار پڑھا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے تھے ، اللہ روح القدس کے ذریعہ حسان کی مدد فرماتے ہیں :إن اللہ یؤیدہ بروح القدس۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الشعر: ۴/ ۳۰۴)

حالاں کہ صحابہؓ کی نظر میں منبر نبوی کا ایسا تقدس تھا کہ ان کو آپ کی وفات کے بعد بھی منبر پر قدم رکھنے میں تأمل ہوتا تھا۔

ہر دور میں اس دور کے لحاظ سے دشمن سے مقابلہ کا ہتھیار رہا کرتا ہے، جمہوری نظام میں کسی قوم کا حق رائے دہی حاصل کرنا بھی ایک جہاد ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آسام میں لاکھوں مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے نکال دیے گئے ہیں ، اور انھیں بغیر دلیل وثبوت کے غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے، ملک کے مختلف علاقوں کی ووٹر لسٹ سے مسلمانوں کے نام غائب ہیں ، یہ بڑی خطرناک بات ہے ؛ اس لئے اس وقت تمام انصاف پسند ہندوستانیوں اور مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس مسئلہ پر توجہ دیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ کوئی نام ووٹر لسٹ میں آنے سے رہ نہ جائے ، اس وقت ملک کی اپوزیشن پارٹیوں نے ووٹ چوروں کے خلاف اور ان کا ساتھ دینے والے سرکاری افسروں کے خلاف جو آواز اٹھائی ہے، تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس میں تعاون کریں ، ووٹ چوری کو روکنے کی بھرپور کوشش کریں ، ووٹ چوروں کو کٹہرے میں کھڑا کریں ، یہ جمہوریت میں ظالم حکومتوں سے لڑائی کا ہتھیار اور اپنی مدافعت کی سب سے مؤثر تدبیر ہے!

……◆……

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ہذا و نائب مدیر ماہ نامہ محدث عصر، دیوبند

کسی علمی شخصیت کے پاس جائیے، کسی اچھی لائبریری میں گل گشت کیجیے، کسی بڑی درس گاہ کا رخ کیجیے تو خواہی نہ خواہی ایک ایسی شخصیت کا نام کانوں سے ٹکرا ہی جائے گا، جو علم وفن کی ہر کارگاہ میں شیشہ گری کرتی رہی۔ یعنی مفسر قرآن و محدثِ کبیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی ثم لاہوری۔ علم وعمل کی انتہائی جامع شخصیت۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد۔ حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانویؒ کے ساختہ و پرداختہ۔ عظیم مفسر و محدث۔ سیرت المصطفیٰ جیسی کتاب کے مصنف، اسلام کے حقیقی ترجمان، ملت بیضا کے مضبوط پشتیبان۔ سیوطیٔ زمانہ۔ کاندھلہ کی خاک سے اٹھے۔ عرب وعجم میں چمکے اور لاہور میں ابدی نیند سو گئے۔

ولادت، نسب نامہ

12 / ربیع الثانی 1317ھ مطابق 1899ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ جائے ولادت بھوپال ہے، جہاں ان کے والد محکمۂ جنگلات کے سرکاری مہتمم تھے۔

مولانا کا نسب نامہ اس طرح ہے:

مولانا محمد ادریس ابن مولانا و حافظ محمد اسماعیل ابن مولانا محمد اسحاق ابن مولانا محمد ابوالقاسم ابن مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی۔ (یہ وہی مفتی الٰہی بخش صاحب ہیں جنہوں نے مثنوی مولانا رومؒ کا تکملہ لکھا)

مولانا والد کی طرف سے صدیقی تھے اور والدہ کی طرف سے فاروقی۔ ان کے والد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مسترشد تھے۔ حضرت تھانویؒ سے بڑا گہرا تعلق رکھتے۔ تصنیف و تالیف سے بھی رشتہ تھا۔ ان کی کتاب ''الفارق بین المنقاد والمارق'' بڑی شان دار اور لائق مطالعہ کتاب ہے۔

تعلیمی اسفار

تعلیم کا آغاز وطن کاندھلہ میں ہی ہوا۔ ناظرہ خوانی سے بہت جلد فارغ ہوئے۔ پھر انہیں حفظ کے لیے بٹھا دیا گیا اور محض نو سال کی عمر میں حافظ قرآن بھی ہوگئے۔ تکمیل حفظ کے بعد والد مرحوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون لے گئے اور حضرت تھانوی سے کہا:

''مولوی اشرف علی! میں ادریس کو خانقاہ میں داخل کرنے کے لیے لایا ہوں۔ اب یہ آپ کے سپرد ہے۔''

حضرت تھانویؒ نے برجستہ فرمایا:

''حافظ اسماعیل! یہ نہ کہیے کہ خانقاہ میں داخل کرنے لایا ہوں، بلکہ یوں کہیے کہ مدرسہ خانقاہ میں داخل کرنے لایا ہوں۔''

مدرسہ اشرفیہ میں داخلہ ہوگیا۔ صرف ونحو کی پہلی کتاب مجدد زمانہ نے شروع کرائی۔ مولانا عبداللہ صاحب سے بھی علمی استفادہ کیا۔ یہ وہی شخصیت ہیں، جنہوں نے تیسیر المنطق جیسی شاہ کار کتاب لکھی۔

مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ

مولانا کا داخلہ 1326ھ میں ہوا اور 1332ھ تک وہاں پڑھتے رہے۔ مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں عربی تعلیم کا انتظام محدود تھا۔ چھ سال گزار کر یہاں کی تعلیم مکمل کی تو حضرت تھانوی بہ نفسِ نفیس انہیں مظاہر علوم سہارنپور لے گئے۔ وہاں مشکوٰۃ کی جماعت میں داخلہ ہوا اور چار سال پڑھ کر وہاں سے فراغت پائی۔ مظاہر علوم میں انہوں نے سال بہ سال کون کون سی کتابیں پڑھیں؟ ذیل کی روداد ملاحظہ فرمائیں:

روداد 33-1332ھ: مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، مختصر المعانی، سلم العلوم، مقامات، ہدیہ سعیدیہ، نخبہ، ملاحسن، وغیرہ۔

روداد 34-1333ھ: حمد اللہ، اقلیدس، میبذی، تصریح، میر زاہد، ملا جلال، دیوان متنبی، ملاحسن، قاضی مبارک، شرح چغمینی وغیرہ۔

روداد 35-1334: مطول، میر زاہد، امورِ عامہ، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ، شرح عقائد، حسامی وغیرہ۔

روداد 36-1335ھ:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
1	بیضاوی	19	6	نسائی	21
2	بخاری	17	7	ابن ماجہ	20
3	مسلم	20	8	ہدایہ آخرین	21
4	ابوداؤد	20	9	توضیح تلویح	18
5	ترمذی	21	10	مؤطا امام مالک	19
	نخبہ	18	11	موطا امام محمد	18

بخاری، مسلم، ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں اور دورۂ حدیث کی بقیہ کتابیں مولانا ثابت علیؒ اور مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے۔ آپ کے ساتھیوں میں حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ کا نام بھی شامل ہے۔

مظاہر علوم میں وقت کیسا گزرا؟

مظاہر علوم میں مولانا کی طالب علمی کیسی گزری اور لیلائے علم کے حصول کے لیے انہوں نے کیا کیا کوہ کنی کی، انہیں کی زبانی سنیے:

جس زمانے میں ہم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتے تھے اس وقت وہاں مطبخ نہ تھا، طلبہ خود اپنے کھانے کا بندوبست کرتے تھے۔ ہماری کوشش یہ ہوتی کہ کھانا پکانے یا کھانے کی وجہ سے کوئی سبق ناغہ نہ ہو، اس لیے ہم اکثر یہ کرتے کہ اگر کوئی گھنٹہ خالی ہوتا یا کوئی سبق گھنٹہ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے ختم ہو جاتا تو جلدی سے کمرے میں آکر انگیٹھی پر کھچڑی چڑھا جاتے اور دوسرے سبق میں چلے جاتے۔ جب سبق ختم ہو جاتا تو پھر کمرے میں آتے، کھچڑی کو انگیٹھی پر سے اتارتے اور جیسی بھی ہوتی کھا لیتے۔ کبھی کچی ہوتی، کبھی جل جاتی اور کبھی بہت زیادہ پچ پچی ہو جاتی۔ بہر حال جیسی کیسی بھی ہوتی، کھا لیتے، مگر سبق ضائع نہ کرتے۔ (سوانح مولانا محمد ادریس، ص 34، 35)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت

1336ھ کے نصف اول میں مظاہر علوم سے فراغت پائی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا۔

5 شوال المکرم 1336ھ میں داخلہ ہوا۔ اس وقت علامہ کشمیریؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کی طوطی بول رہی تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں ان کا تعلیمی سال کیسا رہا، دارالعلوم سے فراہم کردہ سالانہ امتحان کا یہ نتیجہ ملاحظہ فرمائیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
1	ابن ماجہ شریف	51	6	بخاری شریف	48
2	موطا امام محمد	51	7	ابوداؤد شریف	47
3	ترمذی شریف	50	8	مسلم شریف	45
4	طحاوی شریف	49	9	موطا امام مالک	43
5	نسائی شریف	49	10	شمائل ترمذی	40

تدریس کا آغاز

دارالعلوم سے فراغت کے بعد 1921ء سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں ایک سال پڑھایا۔ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اس وقت وہاں کے کرتا دھرتا تھے۔ ان کا علم وفضل کاروانِ علم کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس دوران دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حافظ احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ نے بارہا اصرار کیا کہ دارالعلوم آ جائیں، چناں چہ وہ دارالعلوم آ گئے اور جن اساتذہ سے کسب کمال کیا تھا، انہیں کی رفاقت میں تدریس کا زریں موقع نصیب ہوا۔

درس قرآن میں امتیازی شان

دارالعلوم دیوبند میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ابوداؤد شریف بھی ان کے زیر تدریس رہی۔ ان کے درس قرآن کی بڑی دھوم تھی۔ نو درے میں بعد نماز فجر تفسیر کے لیے بیٹھتے اور خوب دادِ تحقیق دیتے۔ ان کے فرزند گرامی لکھتے ہیں:

اس زمانے میں حضرت بعد نماز فجر قرآن حکیم کا درس نو درہ میں بھی دیتے، جس میں متوسط اور اعلی درجات کے طلبہ شریک ہوتے۔ آپ کا یہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا، جس میں تفسیر وحدیث، علم کلام اور فقہ کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی جاتی۔ طلبہ اس کثرت سے شامل ہوتے کہ نو درہ بھر جاتا اور بہت سے طلبہ باہر بھی کھڑے ہو جاتے۔ کئی طلبہ تفسیری نکات کو قلم بند کرتے۔ اس درس قرآن کا دارالعلوم اور اساتذہ پر خاصا

اثر ہوا، غالباً اسی اثر کی وجہ سے آپ کا دارالعلوم میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔(سوانح، ص36)

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحبؒ کی شہادت سنیے:

''ترجمۂ قرآن شروع کیا تو اس کی دھاک بٹھا دی۔صبح کو بعد فجر نودرہ کی عمارت مستفیدین سے بھر جاتی، جس میں منتہی طلبہ کے ساتھ واردین وصادرین بھی ذوق وشوق سے شرکت کرتے۔اور آخر اسی ترجمے کی مقبولیت نے انہیں شیخ التفسیر بنا دیا۔''(لالہ وگل جدید، ص143)

دارالعلوم سے استعفا اور حیدرآباد دکن کو روانگی

1338ھ سے 1346ھ تک دارالعلوم میں نو سال تک بلا انقطاع پڑھاتے رہے۔پھر حالات نے کروٹ لی۔دارالعلوم دیوبند ہچکولے لینے لگا، انہیں دیوبند سے حیدرآباد جانا پڑا۔اپنی زندگی کے اگلے نو سال حیدرآباد میں ہی گزارے۔حیدرآباد اس وقت ایک مستقل ریاست تھی۔وہاں کے حاکم کو نظام کہا جاتا تھا۔یہ ریاست انگریزی مداخلت سے پاک اور خودمختار ریاست تھی۔مولانا مرحوم المجلس العلمی الاسلامی سے منسلک ہو گئے، جو ریاست حیدرآباد کے زیر انتظام چلتی تھی۔اس علمی انجمن کو مجلس اشاعت العلوم بھی کہا جاتا تھا۔ڈھائی سو روپے ماہانہ پر ان کی تقرری ہوئی۔ان کا قیام حیدرآباد کئی معنوں میں تاریخ ساز ثابت ہوا۔وہیں رہتے ہوئے انہوں نے التعلیق الصبیح جیسی شاہکار کتاب لکھی، جس کا سارا مواد حافظ فضل اللہ توربشتی کی کتاب شرح المصابیح سے جمع کیا۔یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ کے سوا کہیں دستیاب نہیں تھی۔اسی طرح طیبی شرحِ مشکوٰۃ سے بھی خوب خوشہ چینی کی۔اس لائبریری سے متواتر استفادے نے انہیں التعلیق الصبیح جیسی عظیم کتاب کا مصنف بنا دیا، جس پر اہل عرب بھی آفریں کیے بغیر نہ رہ سکے۔یہی کتاب عرب وعجم میں ان کے تعارف کا ذریعہ بنی۔مشکوٰۃ المصابیح کی یہ وقیع اور فقید المثال شرح پہلی بار 8/ جلدوں میں چھپی۔بعد میں آٹھویں جلد کو ساتویں کے ساتھ ضم کر دیا۔اب یہ خزانۂ عامرہ سات جلدوں میں دستیاب ہے۔حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں ہی دمشق سے چار جلدیں چھپ چکی تھیں، جس کی جلد اول کے اخراجات مجلس علمی اسلامی نے برداشت کیے تھے۔سن طباعت 1934ء مطابق 1354ھ ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں وہیں تصنیف کی گئیں۔سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی اس زمانے میں حیدرآباد میں تھے۔مولانا عبدالباری ندوی بھی وہیں قیام رکھتے تھے۔سید ابوالاعلی مودودی صاحب بھی وہیں اقامت پذیر تھے۔ان کے بڑے بھائی سید ابوالخیر مودودی کی رہائش بھی حیدرآباد میں ہی تھی۔ان حضرات کی ملاقاتیں ہمیشہ رہاکیں اور علمی موضوعات پر تبادلۂ خیال بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔

دارالعلوم دیوبند سے استعفا کیوں دیا تھا؟

مولانا نے دارالعلوم سے استعفا کیوں دیا؟ اس کی داستان کسی ہائلہ سے کم نہیں۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے صاحب زادے فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

دارالعلوم میں داخلی فتنہ بعہد حضرت شاہ صاحب شروع ہوا تو راز داروں کا بیان ہے کہ مولانا حبیب الرحمن عثمانی مرحوم نے تنہائی میں بلا کر فرمایا: مولوی صاحب! امتحان کا وقت ہے۔ آپ کے استاذ شاہ صاحب کی حمایت یا پھر ہماری نصرت؟ بڑی سادگی سے جواب عنایت فرمایا کہ میں بہت کمزور دل واقع ہوا ہوں۔ امتحان کے قابل نہیں۔ خود استعفا دیا اور ریاست حیدرآباد جا پہونچے، جہاں ان کا علم و فضل چمکا اور ان کا دین و دانش بہار بہ دوش بن گیا۔ (لالہ وگل جدید، ص:144,143)

اس ہنگامے کے نتیجے میں دارالعلوم اپنے کئی جلیل اساتذہ سے محروم ہوگیا۔ یہ تمام جہابذۂ فن دیوبند سے نکل کر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل فروکش ہو گئے، جن میں امام العصر علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمن عثمانی جیسے اکابر شامل ہیں۔ یہ ادارہ راتوں رات شہرت کے آسمان پر پرواز کرنے لگا اور اس کی مرکزیت کے چرچے ہونے لگے۔ مولا کاندھلوی دارالعلوم چھوڑ کر حیدرآباد چلے گئے اور دل جمعی کے ساتھ وہیں خدمات دیتے رہے۔ 1936، 1937ء میں دو بار ان سے ڈابھیل آنے کی فرمائش کی گئی، لیکن انہوں نے حیدرآباد کے قیام کو ہی ترجیح دی۔

دارالعلوم میں دوبارہ آمد، بہ حیثیت شیخ التفسیر تقرری

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جب بہ حیثیت صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند واپس آئے تو اپنی اور حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی خواہش پر مولانا کاندھلویؒ کو حیدرآباد سے بلا لیا۔ اس وقت تک دارالعلوم میں شعبۂ تفسیر نہیں تھا۔ مولانا کاندھلوی سے اس شعبے کی شروعات ہوئی۔ ان کا تقرر دارالعلوم میں شیخ التفسیر کے طور پر ہوا۔

بات تنخواہ پر اٹک گئی

دارالعلوم میں ان کی دوسری بار آمد کشاکشوں سے لبریز رہی۔ دل کہہ رہا تھا کہ دارالعلوم جایا جائے، اور اہل خانہ اس خواہش میں سد سکندری بنے ہوئے۔ دارالعلوم کی طرف سے ان کی تنخواہ صرف 70/ روپے ماہوار مقرر ہوئی تھی۔ مولانا موصوف دارالعلوم کا تقرر نامہ لے کر گھر پہونچے تو کیا ہوا؟ اسے بھی سن

لینا چاہیے۔فرزند گرامی مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں:

جس وقت آپ کو یہ دعوت دی گئی،اس وقت آپ کو حیدرآباد میں ڈھائی سو روپے ماہانہ سے زیادہ مشاہرہ مل رہا تھا اور دیوبند میں صرف 70 روپے ماہانہ کی پیش کش کی گئی، کیوں کہ اس وقت وہاں اساتذہ کی تنخواہوں کا یہی معیار تھا۔تمام احباب اور گھر والوں نے شدید مخالفت کی اور کہا کہ ڈھائی سو روپے چھوڑ کر 70 روپے ماہانہ پر جانا کہاں کی عقلمندی ہے!! خود والد صاحب کہا کرتے تھے کہ تمہاری والدہ نے بھی بہت مخالفت کی اور کہا کہ ہم یہاں ڈھائی سو روپے ماہانہ پاتے ہیں۔رہائش مفت ہے۔وہاں 70 روپے میں کیسے گزارا ہوگا،مگر قدرت نے والد صاحب کو جس قناعت سے نوازا تھا اس کا اندازہ دوسرے نہیں کر سکتے تھے۔احباب اور گھر والوں سے کہہ دیا: خواہ تنگی ہو یا فراخی، میں دارالعلوم کی دعوت کو رد نہیں کر سکتا اور پھر وہ بھی تفسیر قرآن پڑھانے کے لیے۔بقول والد محترم: جب گھر والوں نے زیادہ ہنگامہ کیا تو میں اپنے اطمینان قلب کی خاطر کاندھلہ آیا کہ والد صاحب سے مشورہ کروں تاکہ وہ جو رائے اور حکم دیں اس پر شرح صدر کے ساتھ عمل کروں، چناں چہ کاندھلہ آیا۔والد صاحب کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور قاری محمد طیبؒ کے خطوط دکھائے کہ ان حضرات نے دارالعلوم میں شیخ التفسیر کی جگہ کے لیے دعوت دی ہے،لیکن تنخواہ وہاں کے ڈھائی سو کے مقابلے میں صرف 70 روپے ماہانہ ہوگی۔آپ کی کیا رائے ہے؟ چلا جاؤں یا عذر کر دوں؟ یہ بات سن کر والد صاحب سخت ناراض ہوئے۔فرمایا: درکارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست۔نیز فرمایا: تم پوچھنے بھی کیوں آئے! پہلے ہی خط میں ہاں کہہ دینا تھا۔والد محترم کی یہ بات سن کر آپ کو کلی اطمینان اور شرح صدر ہو گیا۔آپ نے دارالعلوم کی درخواست قبول کر لی اور اس طرح حیدرآباد دکن کو خیرباد کہہ کر 1939 میں بہ حیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند چلے آئے۔(سوانح مولانا محمد ادریس کاندھلوی،ص:نمبر 40،41)

تقسیم ہند اور دارالعلوم سے سبک دوشی

1358ھ سے 1368ھ تک دارالعلوم میں پھر مدرس رہے۔تدریس کے دوران ملک کے حالات مزید خراب ہوئے۔وطنِ عزیز کے طول وعرض میں انگریز مخالف تحریک شدید تر ہو چکی تھی۔15/اگست 1947ء کو ملک آزاد ہوا۔ہندوستان کی فضا بھی یکسر بدل گئی۔ہندو مسلم فسادات بھی جگہ جگہ ہونے لگے۔حالت زار دیکھ کر مولانا نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا۔مئی 1949ء میں دارالعلوم کو خیرباد کہا اور کاندھلہ چلے گئے۔دارالعلوم سے علیحدگی کی خبر گردش کرنے لگی تو چاٹگام کے دارالعلوم ہاٹ ہزاری نے بہ حیثیت شیخ الحدیث انہیں دعوت دی۔تنخواہ بھی ایک ہزار روپے مقرر کی اور رہائش مفت،مگر مولانا نے قبول نہیں کیا اور

صرف چھ مہینے کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر لی۔ پاکستان پہنچے تو ریاست بہاول پور کے وزیر تعلیم جناب حسن محمود صاحب کی دعوت پر جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے عرصے میں ہی ان کا دل جامعہ عباسیہ سے اٹھ گیا۔ مفتی احمد حسن بانیِ جامعہ اشرفیہ لاہور نے انہیں مدعو کیا تو 6/ اگست 1951 کو وہ لاہور چلے گئے اور ایسے گئے کہ موت کے ساتھ ہی جامعہ اشرفیہ سے ان کا رشتہ ٹوٹا۔ 1974/ تک وہاں کے شیخ الحدیث رہے۔

عظیم مفسر قرآن

قرآن کریم کی تفسیر مولانا کا مشغلہ رہا۔ سالہا سال قرآن کریم کی زبردست خدمت کی۔ تفسیر کی کتابیں پڑھائیں۔ دار العلوم میں شعبۂ تفسیر کا افتتاح ہوا تو شیخ التفسیر کے منصب پر انہیں ہی بلایا گیا۔ بلانے والے بھی عام لوگ نہ تھے۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور قاری محمد طیب صاحب۔ بیضاوی شریف سے انہیں خصوصی شغف تھا۔ ''الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی'' کے نام سے عربی زبان میں اس کی شرح لکھی، جو 22/ جلدوں میں ہے۔ دلائل الفرقان علی مذہب النعمان، شرائط مفسر و مترجم اور اعجاز القرآن جیسی بلند پایہ کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ تفسیر معارف القرآن کا لوہا ہر اہل علم مانتا ہے، جو 8/ جلدوں میں شائع ہوئی۔

بلند پایہ محدث

مولانا نے سالہا سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف پڑھائی اور شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی حدیثی شان کتنی بلند تھی، اس کا اندازہ التعلیق الصبیح اور تراجم بخاری جیسی کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد کتابیں ان کے خامۂ عنبر شمامہ سے نکلیں۔ تحفۃ القاری بشرح مشکلات البخاری اور مقدمۃ الحدیث سمیت کئی اہم کتابوں نے علم حدیث میں ان کی عبقریت کا سکہ جما دیا۔ تحفۃ القاری بیس اجزاء میں تیار ہوئی ہے۔

شوق مطالعہ

مولانا مرحوم کو مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ کتابوں سے حد درجہ وارفتگی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے۔ دار العلوم کی وسیع لائبریری میں جاتے اور کتابیں کھول کر دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ فخر المحدثین حضرت شاہ

صاحبؒ کا بیان ہے:

''مطالعے کے اس قدر شوقین کہ ہر وقت دار العلوم کے کتب خانے پر مسلط رہتے۔''

آگے لکھتے ہیں:

علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک بار جب کانگریس کی تحریک شباب پر تھی اور ہر کانگریسی جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ ریل کی لائنیں توڑی جارہی تھیں۔ بجلی کے تار کاٹے جارہے تھے۔ دھڑا دھڑ فائرنگ ہو رہی تھی اور پورا ہندوستان تحریک کے جھولے میں جھول رہا تھا۔ وہ اچانک اپنے استاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے در دولت پر تشریف لائے۔ علامہ مرحوم اس وقت اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ یہ سلام کر کے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ حضرت! سنا ہے کہ کوئی تحریک چل رہی ہے؟ علامہ نے اخبار ان کی جانب بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ لیجیے! مطالعہ کر لیجیے! مولانا نے اخبار کے صفحے گنے، جو آٹھ تھے۔ فرمایا کہ اگر کتاب کے آٹھ صفحات کا مطالعہ ہوتو کتنا فائدہ ہوگا! یہ کہہ کر یہ جا وہ جا۔ علامہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ (لالہ وگل جدید، ص144)

مولانا کی ذاتی لائبریری میں پانچ چھ ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں، جن سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کتب بینی سے ان کو کتنا لگاؤ تھا اور کتابوں کی خوشبو انہیں کس طرح اپنا اسیر بناتی تھی۔

لسان عربی میں مولانا کی مہارت

مولانا کی زبان اصلاً اردو تھی، مگر فارسی اور عربی پر بھی زبردست قدرت رکھتے۔ ان کی عربیت بڑی قابل رشک تھی۔ نثر تو نثر، اس زبان میں نظم بھی خوب کہہ لیتے تھے۔ ان کا عربی کلام پختہ، سلیس اور رواں ہے۔ عربیت پر ایسا عبور کہ اشتقاق اور مادۂ اشتقاق پر بھی ماہرانہ رائے رکھتے۔ فرزند گرامی کہتے ہیں:

ایک دفعہ کسی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس میں بہت سے علما بھی تھے۔ کسی گفتگو کے ذیل میں بدن سے بال اکھاڑنے کے آلے کے لیے ایک صاحب نے لفظ منقاش استعمال کیا تو والد صاحب کی زبان سے اس کے لیے لفظ منماص نکلا۔ ایک عالم نے فوراً تحیر کے سے لہجے میں دریافت کیا: یا شیخ! آپ نے یہ لغت اس معنی کے لیے کہاں سے اخذ کیا؟ فرمایا: حدیث سے، کیوں کہ حدیث میں ہے: لعن الله النامصات و المتنمصات۔ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو بالوں کو اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی ہیں۔ تو فرمایا: حدیث میں آں حضرت ﷺ نے بال اکھاڑنے کے لیے لفظ نمص استعمال فرمایا۔ اس وجہ سے مناسب یہی ہے کہ بال اکھاڑنے والے آلے کے لیے لفظ منماص ہی استعمال کیا جائے۔ اس نکتہ اور عربیت کے ذوق پر علمائے شام بہت محظوظ اور متاثر ہوئے۔ (سوانح، ص53,52)

بندۂ مولا صفات

مولانا جتنے بڑے عالم تھے اتنے ہی بڑے قلندر اور سادہ مزاج بھی تھے۔ان کی درویشانہ زندگی کا پتہ ذیل کے واقعے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔فرزند گرامی اپنے والد کا ملفوظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حیدرآباد دکن کے زمانۂ قیام میں تمہاری والدہ مرحومہ نے کہا کہ تمہارے پاس بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، ان سب کو فرش پر بٹھاتے ہو، اچھا نہیں لگتا۔دو چار کرسیاں لے آؤ! پہلے تو میں خاموش رہا اور ٹلاتا رہا۔جب تمہاری والدہ نے کئی بار کہا کہ تم ان کو زمین پر بٹھاتے ہو، کیا خیال کریں گے؟ تب میں نے جواب دیا کہ میں تو اسی طرح زمین پر بٹھاؤں گا۔جس کو آنا ہے وہ آئے، دنیا نے میرا کیا خیال کیا ہے جو میں اس کا خیال کرتا پھروں؟ چناں چہ کرسیاں آئیں اور نہ میز۔(سوانح، ص43)

تصنیفات و تالیفات

مولانا کاندھلوی کو حیوان کاتب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔21 / برس کی عمر میں پہلی کتاب لکھی اور اگلے 54 / برس وفات سے پندرہ روز پہلے تک کسی نہ کسی موضوع پر کتاب لکھتے ہی رہے۔وہ چاہے تفسیر ہو، حدیث ہو، فقہ ہو، تصوف ہو، متداولہ ہر علم میں اپنی موجودگی کا احساس شدت کے ساتھ کرایا۔سو کے قریب کتابیں ان کے اشہب قلم کی مرہون منت ہیں، جن میں بخاری شریف کے ابواب وتراجم کا حل بھی ہے، جو بہ زبان عربی ہے اور تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی۔اس موضوع پر یہ سب سے پہلا کام ہے۔اس سے پہلے کسی بھی محدث کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تو عرب وعجم میں پھیل گئی۔معارف القرآن کا کیا پوچھنا!! علمائے متقدمین ومتاخرین کی تحقیقات کا نچوڑ، محدثانہ شان کی غماز۔مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی معارف القرآن اور مولانا کاندھلوی کی معارف القرآن میں بہت بڑا فرق ہے۔علمی اعتبار سے مولانا کاندھلوی کی تفسیر زیادہ وزن دار ہے۔عقائد الاسلام نے بھی خوب دھوم مچائی۔ان کی سب سے پہلی تصنیف مقامات حریری کی عربی شرح ہے، جو دارالعلوم میں تدریس کے دوران لکھی۔اس سے ان کے مذاق علمی، عربیت سے دل چسپی اور اس زبان پر عبور کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

علامہ کشمیریؒ کی معیت میں قادیان کا سفر

مولانا کاندھلوی علامہ کشمیریؒ کے فیض یافتہ تھے۔قادیانیت کے خلاف علامہ کشمیریؒ کی جہد مسلسل

ایک استعارہ بن چکی ہے۔مولانا کاندھلوی بھی اسی کاروانِ حق کے ایک سرگرم رکن تھے۔قادیانیت کے رد میں ''کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھی تو علامہ مرحوم نے اس پر زبردست تقریظ لکھی۔قادیانیت کے خلاف جلسے یا مناظرے ہوئے تو امام ہمام الکشمیر ی کی قیادت میں کئی بار سفر کیے۔صرف 22 / سال کی عمر میں علامہ کشمیریؒ کے ساتھ پہلا سفر ایک تاریخی سعادت ہے۔مولانا محمد میاں کاندھلوی اپنے والد سے سنا ہوا واقعہ لکھتے ہیں:

قادیانیوں کے خلاف مسلمانان پنجاب نے ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کو بلایا۔میں بھی اپنے گرامی قدر اساتذہ کے ساتھ گیا۔جلسہ میں جب میری تقریر کا وقت آیا تو شاہ صاحبؒ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

بھائیو! یہ مولوی ادریس ہیں۔دارالعلوم دیوبند کے مدرس ہیں۔ان کی عمر کا خیال نہ کرنا! جو کچھ کہیں اسے غور سے سننا۔تقریر کی،لوگوں نے پسند کی اور شاہ صاحب اور علامہ عثمانی دونوں بے حد خوش ہوئے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم حضرت شاہ صاحب فرما رہے تھے،عام مسلمانوں میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا۔اس دورے میں بھی ہم تینوں (مفتی محمد شفیع صاحب،مولانا محمد ادریس اور مولانا بدر عالم میرٹھی) کو حضرت کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اسی زمانے میں یہ طے ہوا کہ ہر سال ایک جلسہ خود قادیان میں کیا جائے،جس میں مرزا صاحب کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے۔ان جلسوں میں حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرے کا چیلنج کیا تو ان سے مناظرے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مولانا سید مرتضی حسن کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے۔خود حضرت شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی پہونچ گئے تھے۔یہ تاریخی مناظرہ تین دن تک چلا۔(سوانح مذکورہ)

علامہ کشمیریؒ سے والہانہ محبت

علامہ کشمیری سے مولانا کو والہانہ تعلق تھا۔ان کی کوئی بھی مجلس شاہ صاحب کے ذکر سے خالی نہ ہوتی۔علامہ کو بھی اپنے اس ہونہار شاگرد پر بڑا اعتماد تھا۔وہ ان کی تحقیقات کو تحسین کی نظر سے دیکھتے۔صاحب زادۂ گرامی مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں:

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری والد محترم کے خصوصی اساتذہ میں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا۔ درس میں، تقریر میں، تحریر میں، حتی کہ نجی مجالس میں ہمیشہ شاہ صاحب کا ذکر کرتے اور ان کے حوالے سے علوم و معارف بیان کرتے۔ ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے، لیکن حضرت شاہ صاحب کو والد صاحب قبلہ کے ساتھ جو تعلق تھا، جو خصوصی توجہات وعنایات تھیں اور آپ کے علم و فضل پر جس قدر اعتماد تھا، وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا: آپ کتاب کو پڑھ کر اس کا جوہر اور خلاصہ نکال لیتے ہیں۔ یہ بات آپ کی تالیفات وتصنیفات کے مطالعے سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

مشہور ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی پر نقد

مولانا کی خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ احقاق حق و ابطال باطل میں چوکتے نہیں تھے اور اس باب میں کسی لومۃ لائم کی کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اقلیم سخن کے نامور تاجدار تھے۔ کئی شاہ کار کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی سے اتنی عقیدت کہ باقاعدہ ایک مفصل کتاب لکھ ڈالی، مگر مسئلۂ قادیانیت میں غچہ کھا گئے۔ رسالہ الصدق کے ایڈیٹر تھے۔ اس میں اپنے مضامین کی کئی قسطیں مرزا غلام احمد قادیانی کی حمایت میں شائع کیں۔ مولانا کاندھلوی تک یہ خبر پہونچی تو سیخ پا ہو گئے اور ایک تحقیقی مضمون لکھ کر اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ تحریر کا عنوان تھا: عبدالماجد دریابادی اور مسیلمۂ پنجاب کی حمایت۔ اس کی یہ تمہیدی سطریں ملاحظہ کیجیے:

’’عرصہ سے عبدالماجد دریابادی ایڈیٹر الصدق کے مضامین مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کی حمایت میں شائع ہو رہے ہیں، چوں کہ عبدالماجد صاحب حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اپنی نسبت بیان کرتے ہیں، اسی لیے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت کی نسبت کے ساتھ یہ مرزائیت کی حمایت کیسی؟ اس لیے چند مختصر کلمات احباب کی تشفی کے لیے لکھ رہا ہوں۔‘‘

اس کے بعد انہوں نے مرزا قادیانی اور اس کے اذناب و اتباع کی تکفیر کا مسئلہ قدرے تفصیل سے بیان کیا اور دریابادی صاحب کو جم کر آئینہ دکھایا۔

تحریک آزادی میں شرکت اور ان کا نقطۂ نظر

مولانا نے تحریک آزادی میں بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ انگریزوں سے تعلقات کو وہ ملت کے لیے زہر

قاتل سمجھتے۔ ''احکام القرآنیہ فی تحریم الموالات البریطانیہ'' نامی کتاب لکھ کر ان سے موالات و معاملات کو حرام قرار دیا۔ وہ سیاسی طور پر مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ متحدہ قومی نظریہ کے شدید مخالف اور دوقومی نظریہ کے پرجوش حامی۔ جذبات میں ہوتے تو کبھی کبھی یہ شعر بھی لہرا کر پڑھتے:

زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال ✦ یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

ان کا خیال تھا کہ انگریزی دور میں ہندوستان دارالامان ہے۔ ملک تقسیم ہوا تو کہنے لگے کہ انگریز نے ذہن بدلنے میں ایک صدی لگا دی تھی، مشرکینِ ہند صرف پچیس برس میں شہریوں کا ذہن بدل دیں گے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر صفر 1369 / مطابق 4 / دسمبر 1949ء کو بمبئی کے راستے پاکستان چلے گئے۔ ان کا سیاسی نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری لکھتے ہیں:

تقسیم ہند کے نتیجے میں جب پاکستان وجود میں آ گیا تو آپ نے تحریری طور پر اپنی آخری رائے کا بے باکی کے ساتھ اس طرح اظہار فرمایا کہ:

ہندوستان انگریزی دور حکومت میں دارالحرب ہونے کے باوجود دارالامان تھا اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کا وہ حصہ جو بھارت کے قبضے میں آیا ہے وہ اعلیٰ درجے کا دارالحرب ہے اور اعلی درجے کا دارالخوف ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کو جو ہر وقت ہندوؤں کے شر کا خوف ہے، روئے زمین پر مسلمانوں کو اتنا خوف کہیں نہیں۔ اپنے انہیں افکار ونظریات کی وجہ سے جب 1945 میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی اور علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے صدر منتخب ہوئے تو آپ نے اس کی بھرپور تائید وتصویب فرمائی۔ (تحریک آزادئ ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، ج4، ص50)

8 / رجب المرجب 1394ھ مطابق 8 / جولائی 1974ء کو اس فنا فی العلم نے دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔ معدے کی خرابی اور گردے کی مردنی اس حادثۂ فاجعہ کا سبب بنی۔ علما کا یہ محبوب، اسلام کا یہ ترجمان و شارح زبانِ حال سے کہتے ہوئے آسودۂ خاک ہو گیا:

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو ✦ ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

مولانا محمد مالک کاندھلوی اور مولانا محمد میاں صدیقی ان کے فرزندان ہیں۔ مولانا ڈاکٹر سعد کاندھلوی ان کے حفید ہیں۔ باری تعالیٰ کاندھلوی مرحوم کی قبر کو سرسبز رکھے۔

……✦……

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

ششماہی امتحان کا انعقاد

جامعہ میں ششماہی امتحان وقت مقررہ پر شروع ہوگیا۔ دفترِ تعلیمات سے جاری اعلامیے کے مطابق یہ امتحان 2 /ستمبر 2025 سے شروع ہوا اور 12 /ستمبر تک جاری رہا۔ طلبہ امتحان کی تیاری پہلے ہی کر چکے تھے۔ اس کا نظارہ امتحان میں ان کے جوش وخروش اور ان کی خود اعتمادی سے ہوا۔

جامعہ کا معمول رہا ہے کہ ششماہی اور سالانہ امتحان کے مواقع پر دوسرے ممتاز مدارس کے ممتاز اساتذہ کو بغرضِ امتحان مدعو کرتا ہے تاکہ وہ طلبہ کی تیاریوں کا جائزہ لے کر مفید ترین مشوروں سے نوازیں، جن سے جامعہ کا تعلیمی کارواں گرم دمی کے ساتھ رواں دواں رہے۔

جامعہ میں بڑے امتحانات دو ہی ہوتے ہیں۔ ایک ششماہی اور دوسرا سالانہ۔ البتہ اعدادیہ سمیت عربی اول سے عربی سوم تک کے طلبہ کا امتحان ہر دو ماہ پر ہوتا رہتا ہے۔

ششماہی تعطیل 13 /ستمبر سے 24 /ستمبر تک

ششماہی امتحان کے انعقاد و اختتام کے ساتھ ہی ششماہی تعطیل بھی ہوگئی اور طلبہ اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔ کا اعلان بھی ہو گیا۔ اعلامیے کے مطابق تعطیلِ ششماہی کے اختتام پر 25 / تاریخ کو ہر جماعت کی بقیہ ایک کتاب کا امتحان ہوگا۔ آخری پرچے میں ہر طالب علم کی شمولیت بہر صورت لازمی ہے۔ غیر حاضری کی صورت میں داخلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

ششماہی امتحان سے پہلے اعدادیہ سمیت عربی اول سے عربی سوم تک کے طلبہ کا ماہانہ امتحان پچھلے

مہینے منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے اپنی عمدہ تیاریوں کا نمونہ پیش کیا۔ حضراتِ ممتحنین نے طلبہ کا ہمہ جہت جائزہ لے کر ذمہ داران کو مطلع کیا۔ نتیجۂ امتحان مجموعی طور پر بہترین رہا۔ اللہ تعالیٰ طلبہ کو مزید کامیابیوں سے نوازتا رہے۔

جامعہ میں جشنِ آزادی منایا گیا

ہر سال کی طرح اس بار بھی جامعہ میں پندرہ اگست کے موقع پر جشنِ آزادی کا پروگرام دھوم دھام سے منعقد کیا گیا۔ سب سے پہلے پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی۔ جامعہ کے استاذِ حدیث و ناظمِ اعلیٰ دارالاقامہ مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب کے ہاتھوں پرچم کشائی کی تقریب عمل میں آئی۔ اس کے بعد عزیزم عبدالوارث دہلوی سلمہٗ، متعلم دورۂ حدیث شریف جامعہ ہٰذا نے ہندوستان کا قومی ترانہ جن گن من پڑھا۔ ترانے کے بعد دارالحدیث کے وسیع ہال کے سامنے آزادی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی۔ جامعہ کے استاذِ حدیث مولانا ابوطلحہ صاحب زید مجدہم نے کہا کہ انگریز بڑے عیار اور شاطر تھے۔ انہوں نے اپنا تسلط بڑھانے کے لیے اہلِ اسلام کے ایک بڑے طبقے کو خریدا، جنہوں نے فرنگی اقتدار کی کھل کر حمایت کی۔ مگر علمائے حق کے سرفروشانہ عزائم نے انگریزی چال کو کامیاب ہونے نہیں دی اور تحریکِ آزادی کا کارواں مسلسل گرم دم رکھا۔ اس طرح کی تقریبات ہمیں اپنے اسلاف سے مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ایسے پروگراموں سے تاریخِ آزادی کے مطالعے کا شوق پروان چڑھتا ہے۔ اجلاس کا آغاز جامعہ کے طالبِ علم کی تلاوت اور نعت خوانی سے ہوا۔ اجلاس کے بعد طلبہ میں شیرینی بھی تقسیم کی گئی۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کے بھانجے کا انتقال

رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ کے چچیرے بھانجے جناب ڈاکٹر یاسر یزدانی صاحب کا حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا۔ مرحوم مولانا سید حکیم محفوظ علی صاحب کے پڑپوتے تھے۔ بڑے نیک اور خدمت خلق میں پیش پیش رہنے والے تھے۔ پیشے سے ڈاکٹر تھے۔ ان کے اچانک انتقال سے خاندان میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ جامعہ میں ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ مرحوم کی نماز جنازہ جامعہ کے احاطے میں ہی ادا کی گئی اور تدفین مزار انوری میں عمل میں آئی۔

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Sept 2025



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND